چندہ سالانہ
پانچ روپے

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

پندرہ روزہ

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

۱ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۰ اگست ۱۹۶۴ء

اڈیٹر — سید محمد الحسنی
معاون — سعید الاعظمی ندوی

فی کاپی
(۲۵)
نئے پیسے

Regd No L- 1981

Phone No 22948

TAMEER-E-HAYAT

DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

دار العلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

منثورات

از: مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان جاندار ٹکڑوں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن اور کلام کی بلاغت کیساتھ دینی واخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں نثر قدیم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت [illegible]

مختارات

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنے کے لائق ہے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڑھ کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول [illegible] حصہ دوم [illegible]

القراءة الراشدة (۳ حصے)

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اسکی نامور شخصیتوں کے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلومات عامہ اور ضروری مضامین آگئے ہیں، اسکی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور وہ کسی اچھے نتیجہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول [illegible] حصہ دوم [illegible] حصہ سوم [illegible]

العقيدة السنية

از مولانا محمد اویس صاحب ندوی شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ کتاب شاہ ولی اللہؒ کے رسالہ العقيدة الحسنة کی شرح ہے، اس کتاب میں نازک اور پیچیدہ مسائل اس طرح آسان اور واضح کر دیئے گئے ہیں کہ طلباء تھوڑی سی محنت سے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں، مولانا نے اس سلسلہ میں ابن تیمیہؒ، ابن قیم اور بعض دوسرے ائمہ کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے، مدارس عربیہ کیلئے ایک بیش بہا کتاب، طلباء اور اہل علم کیلئے بہترین تحفہ۔

قیمت [illegible]

ESTD. 1903

قدرتی تیل

جوڑوں کے درد، زخم، چوٹ، موچ، کٹنے، جلنے میں مفید ہے

کارخانہ دار الصحت مئوناتھ بھنجن یوپی

نورانی تیل

انڈین کیمیکل کمپنی، مئوناتھ بھنجن، یوپی

Cover Printed at Nadwa Press, LUCKNOW

پندرہ روزہ
تعمیر حیات
لکھنؤ
جلد ۲ / ۱
شمارہ ۱۹
شعبہ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء
۱۰ اگست ۱۹۶۴ء مطابق یکم ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلم مشاورتی اجتماع کی توجہ کیلئے

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

محمد الحسنی

ایک زمانہ وہ تھا جب دیبل (سندھ کے قریب ایک ساحلی مقام) کی ایک مظلوم عورت کی صدا پر دادرسی کے لئے سترہ سالہ نوجوان محمد بن قاسم کو بھیجا گیا تھا، محمد بن قاسم کا داخلہ ہندوستان میں اسلام کا آغاز اور اس بت کدہ میں پہلی اذان تھی جس کے ساتھ روشنی کی پہلی کرن پھوٹی اور اس ملک کی قسمت جاگی، لیکن آج کس قلم سے لکھا جائے اور کس زبان سے اس حقیقت کا اظہار کیا جائے کہ محمد بن قاسم کے یہی قافلہ والے آج اپنی مظلومیت و بے بسی اور انتشار و کسمپرسی کی حالت میں گھبرا گھبرا کر ہر طرف نظر ڈال رہے ہیں، ان کی ڈھارس فرنیک انتھونی اور جے پرکاش کے بیانات سے بندھتی ہے، ان کی نظر اندرا گاندھی کی طرف اٹھتی ہے وہ اپنی قسمت کو اشخاص کے ساتھ، سیاسی پارٹیوں کے ساتھ اور تعداد کی قلت و کثرت کے ساتھ وابستہ سمجھنے لگے ہیں:

یہ ایک حقیقت ہے جس سے کوئی بھی اپنی آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔

اپنے شاندار ماضی اور اپنے تاریخی کردار کی یادیں آج بھی ہمارے دل میں کسک پیدا کرتی رہتی ہیں، اور سایہ کی طرح ہمارے پیچھے لگی رہتی ہیں، ہم ان سے محبت بھی کرتے ہیں اور ان سے ڈرتے بھی ہیں، ان کی کسک تکلیف دہ ضرور ہے لیکن ان میں ایک قسم کی مٹھاس بھی ہے؛ بعض وقت ہم چاہتے ہیں کہ بدلے ہوئے حالات میں بدلے ہوئے دل و دماغ کے ساتھ کام کریں اور ان یادوں کو اپنے گلے کا ہار نہ بنائیں اور یہ محسوس کریں کہ انھیں یادوں کی پرورش اور ناز برداری نے ہم کو اس رخ پر ڈالا ہے، ہمارے اندر جذباتیت پیدا کی ہے۔ اسی نے ہمیں کچھ لے دے کر مفاہمت کر لینے اور عافیت کی زندگی گزارنے سے باز رکھا ہے۔ اسی نے ہم کو اپنی اصل سطح سے اترنے اور اپنے کو نئے حالات کے مطابق ڈھالنے اور اپنی بہت سی عزیز یادوں اور عزیز باتوں کو خیرباد کہنے سے روک دیا ہے، اور ہمارے اور ہمارے برادران وطن کے درمیان ایک ایسی خلیج قائم کر دی ہے جو کسی طرح پر ہوتے نہیں آتی۔

دو طرز فکر

اس بات کو سمجھنے کے لئے ہمیں صورت حال کا ذرا پیچھے ہٹ کر جائزہ لینا ہوگا، قصہ یہ ہے کہ اس سترہ سال کے عرصہ میں مسلمانوں میں دو طرز فکر کام کرتے رہے ہیں، اگرچہ ادھر پچھلے چند برسوں بلکہ چند مہینوں میں وہ زیادہ نمایاں ہو گئے ہیں اور تقریباً ہر صاحب شعور شخص ان کو محسوس کرنے لگا ہے، لیکن انگلی رکھ کر اور تعین کے ساتھ ان دونوں کی نشان دہی اس کے لئے مشکل ہے، اور ابھی نہ صرف اس کے دماغ میں بلکہ خود اس فکر کے علمبرداروں اور داعیوں کے دماغ میں بھی کسی قدر الجھاؤ باقی ہے اور ان کا ذہن بھی پوری طرح صاف اور مطمئن نہیں ہے۔

پہلا طرز فکر

ایک طرز فکر وہ ہے جس کی طرف کچھ ہلکے اشارے سطور بالا میں کئے گئے ہیں؛

اس طرز فکر کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی علیحدگی پسندی بے اطمینانی، ملک کے تعمیری کاموں میں ان کی سرد مہری ان کی بدگمانیاں و شکایات یہ سب اس کا نتیجہ ہیں کہ وہ ابھی تک پرانے دل و دماغ کے ساتھ سوچنے کے عادی ہیں، وہ بدلے ہوئے حالات اور وقت کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتے وہ ہر وقت اپنی عظمت رفتہ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں اور ہر معاملہ کو اسی نظر کے ساتھ دیکھنے اور اسی پیمانہ سے ناپنے کے عادی ہیں، وہ یہ نہیں محسوس کرتے کہ ہندستان میں ایک بڑی قوم اور بھی بستی ہے جس کے ساتھ تقدیر نے ان کو وابستہ کر دیا ہے،

دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مصیبتیں اور تباہ کاریاں جو ہم پر نازل ہوتی رہتی ہیں، دراصل وہ اثرات ہیں جو ہماری اس علیحدگی پسندی ماضی پرستی اور سرد مہری سے پیدا ہوتے ہیں اور پھر ہم ہی پر برستے ہیں۔

اس بات کی مزید توضیح یہ ہے کہ مسلمانوں کا رویہ اس ساری صورت حال کا اصل ذمہ دار ہے اور اسی کا فطری "ردعمل" ہے جو ان ہولناک فسادات کی صورت میں برابر ظاہر ہوتا رہتا ہے، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان زیادہ حقیقت پسندی سے کام لیں، ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیں اور

مجلس مشاورت

مولانا محمد اویس ندوی، شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء
مولانا محمد اسحاق ندوی، استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء
مولانا ابو العرفان ندوی، قائم مقام مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء
مولانا معین اللہ ندوی، ناظر شعبہ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء
مولانا محمد رابع ندوی، ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء

سالانہ چندہ ۵ روپے ششماہی ۳ روپے | فی کاپی ۲۰ نئے پیسے | ممالک غیر کے لئے ایک پونڈ

ترسیل زر و انتظامی امور کے لئے پتہ
منیجر "تعمیر حیات" شعبہ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
مضامین وغیرہ کے لئے خط و کتابت اس پتہ پر کی جائے
ایڈیٹر "تعمیر حیات" شعبہ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

قابل توجہ

تعمیر حیات کی قیمت لاگت سے بہت کم رکھی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ حضرات مستفید ہو سکیں،

اس لئے

اہل استطاعت حضرات سے پرزور گذارش ہے کہ حوصلہ مندی سے عطیات عطا فرما کر دینی لٹریچر کی نشر و اشاعت اور ادارہ کی اعانت میں حصہ لیں!

معاونین خصوصی سے ———— 200-00
معاونین سے ———— 100-00 / 50-00
اعزازی خریداران سے ———— 25-00

پاکستان میں چندہ جمع کرنیکا پتہ
مولانا حکیم نصیر الدین صاحب
نظامی ندوی فرنیئر روڈ کراچی
(مغربی پاکستان)

اسلامیت اور مغربیت
مسلم ممالک میں | کی کشمکش

● مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش کی مستند تاریخ
● مغربیت کے رجحان کے آغاز و ارتقاء کی کہانی
● مختلف ممالک میں تجدد کی تحریکوں کا تاریخی جائزہ
● ان کے اسباب و محرکات اور ان کا علاج
● مغربی تہذیب کے بارے میں مسلم ممالک کے صحیح رویہ کا تعین
● اور عصر حاضر میں ان کے کردار و پیغام کی تشریح

تالیف: مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

کتابت اعلیٰ | طباعت فوٹو آفسٹ | مجلد | قیمت پانچ روپے

ناشر: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ سوم)

از: مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

● سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء
● حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری
● سوانح حیات ● صفات و کمالات ● تجدیدی و اصلاحی کارنامے
● تلامذہ و منتسبین و مسترشدین کا تذکرہ و تعارف،
ابتداء میں ہندستان میں تبلیغ اسلام اور خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور ان کے جانشینوں کا تذکرہ!
قیمت: مجلد مع گرد پوش چھ روپے
غیر مجلد پانچ روپے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

تحمل کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کریں اور اپنے طرزِ فکر اور طرزِ عمل کو نئے تقاضوں اور نئے حالات کے ساتھ ہم آہنگ بنانے کی سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ کوشش کریں۔

اس طرزِ فکر کی اصل حقیقت

پہلی نظر میں یہ طرزِ فکر بہت حقیقت پسندانہ اور عملی معلوم ہوتا ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ طرزِ فکر ملتِ اسلامی کے تاریخی کردار اور اس کی روح سے ناواقفیت پر مبنی ہے دوسری طرف وہ موجودہ صورتِ حال اور اصل و بنیادی مسائل کے ادراک سے قاصر اور اس کے بہت عاجلانہ اور سطحی تجزیہ پر قائم ہے۔

جہاں تک پہلی چیز کا تعلق ہے ہم میں سے ہر شخص کو واقف ہونا چاہیے کہ مسلمانوں کا وجود صرف ان کے تاریخی کردار کی بدولت قائم ہے، یہ تاریخی کردار جو انھوں نے دنیا میں ادا کیا ان کے آنکھ کی روشنی اور دل کی دھڑکن ہے اور ان کے حق میں روحِ حیات، جوہرِ زندگی سے کسی طرح کم نہیں، یہی ان کے خون میں گرمی ان کے ارادہ و فیصلہ میں قوت، ان کے قدموں کو استقامت ان کی نظر کو تابانی اور ان کی پیشانی کو بلندی عطا کرتا ہے، اس تاریخی کردار سے علیحدہ ہو کر ان کے وجود و بقا کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، اور اس دنیا کے بازار میں جہاں سیکڑوں طاقتور قومیں موجود ہیں ان کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی، ان کی شخصیت ان کا وجود ان کا کلچر، ان کی ثقافت، ان کی دعوت اور ان کی وطن دوستی ہر چیز اس تاریخی کردار سے روشنی اور قوت حاصل کرتی ہے اور اسی کی ممنونِ احسان ہے۔

وہ اسی تاریخی کردار کو دوبارہ ادا کرنے کے لئے زندہ ہیں اور اسی سے ان کی زندگی کا جواز ہے۔ اسی کردار کی اہلیت کے بقدر ان کو زندگی و عزت ملتی ہے اور اسی پیمانہ سے ان کا حساب چکایا جاتا ہے اور ان کا احتساب کیا جاتا ہے، لیکون الرسول شہیداً علیکم وتکونوا شہداء علی الناس کے یہی معنی ہیں۔

اس لئے اگر آج مسلمان اپنے اس تاریخی کردار کو کسی وقت اور کسی لمحہ بھی فراموش نہیں کرتے اور اسی دل و دماغ سے معاملات پر غور کرتے ہیں تو وہ اس پر کسی تنقید و ملامت کے مستحق نہیں بلکہ ہمت افزائی کے حقدار ہیں، اور اگر ان کا کوئی جرم ہے تو یہ کہ وہ اس کے لئے کوئی ٹھوس سنجیدہ اور عملی کوشش نہیں کر رہے ہیں اور ان کا قول عمل سے پوری مطابقت نہیں رکھتا ہے۔

جہاں تک دوسری چیز کا تعلق ہے یہ طرزِ فکر صحیح صورتِ حال اور بنیادی و حقیقی مسئلہ کے ادراک سے قاصر ہے اور مرض کی صحیح تشخیص نہیں کی۔

ہندوستان میں رہنے کا عزم و فیصلہ اور برادرانِ وطن کے ساتھ قسمت کی وابستگی یہ دو ایسی بدیہی چیزیں ہیں جن کو بنیاد بنا کر کسی مسئلہ کو حل نہیں کیا جا سکتا، یہ تو ایک طے شدہ حقیقت اور مسلم امر ہے اور قدرت کا ایسا فیصلہ ہے جس سے مفر ممکن نہیں۔

دوسرا طرزِ فکر

اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں بغیر کسی جارحیت اور بغیر کسی قومی انانیت کے اپنی تہذیب اور اپنے کلچر کے ایک ایک شوشہ کی حفاظت کرنا ہے اور اس ملک میں ایک باعزت اور آزاد انسان کی طرح زندگی گزارنا ہے، ایک ایسے انسان کی طرح جس کا دین و مذہب، عزت و آبرو اور جس کی اقتصادیات سب پوری طرح محفوظ ہوں اور وہ ان کی طرف سے بے فکر اور مطمئن ہو کر ملک کی ترقی و فلاح میں حصہ لے سکے۔

یہ وہ بڑی اور امتیازی حقیقت (MAGER FACT) ہے جسکو اکثریت کا ضروری اعتراف حاصل نہ ہو سکا، دوسری طرف مسلمان اس کے لئے کوئی سنجیدہ اور متحدہ کوشش نہ کر سکے اور تیسری طرف ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات کے اصول پر فرقہ پرور عناصر نے اس کمزوری سے پورا فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کو اس جگہ تک پہونچا دیا جہاں آگے بڑھنا خطرناک اور پیچھے دیکھنا ممنوع ہے۔

اس کی مزید توضیح اس طرح کی جا سکتی ہے کہ اس صورتِ حال کے پیدا ہونے کا اصل سبب مسلمانوں کی اپنی کمزوری اور ان کا اپنا اختلاف و انتشار ہے نہ کہ ان کے موقف اور طرزِ فکر کی درستی یا نادرستی،

وہ اکثریت کو اس بڑی اور بنیادی حقیقت کے اعتراف پر مجبور نہیں کر سکے اور اس میں انھوں نے پوری غفلت اور کوتاہی سے کام لیا۔ اس کے لئے جو ذرائع اور راستے اختیار کئے جا سکتے تھے اس کی طرف کبھی انھوں نے کوئی توجہ نہیں کی۔

سوچنے کا صحیح طرز

اس حقیقت کو منوانے اور اکثریت کو اس کے اعتراف پر مجبور کرنے کے لئے ہم مسلمانوں نے اتنا بھی نہیں کیا کہ اپنی صفوں کو درست کر کے ایک آواز ہو کر اس کے لئے متحدہ کوشش کرتے ہم مختلف کیمپوں میں بٹے ہوئے، مختلف جماعتوں سے وابستہ اور ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہے۔ ہم جماعتی مفاد کو ترجیح دینے، ایک دوسرے کو گرانے اور نیچا دکھانے کی فکر میں گرفتار رہے اور ہمارا جیب و دامن تار تار ہوتا رہا، ان عبرت ناک واقعات سے ہمیں جب بھی جھٹکا لگا تو بجائے اس کے کہ ہم اپنے بھائی کا گریبان چھوڑیں اور اپنے جیب و دامن کو سئیں، ہم نے ہمیشہ اکثریت کی طرف رحم طلب نگاہوں سے دیکھا اور اپنی بے ضرری، وفاداری اور حب الوطنی کا واسطہ دیا، جمہوریت اور سیکولرزم کی دہائی دی، انسانیت و شرافت کا پاس دلایا، ملک کی بدنامی کی طرف توجہ دلائی، ہم روئے بھی اور گائے بھی لیکن اس وقت بھی ہمارا ایک ہاتھ ایک بھائی کی گردن پر تھا اور دوسرا ہاتھ دوسرے بھائی کے گریبان پر۔

آج بھی مسئلہ کا حل یہ بتایا جا رہا ہے کہ ہمیں اس ملک میں اکثریت کے ساتھ رہنا ہے اور یہ بات ہمیں ہر وقت ملحوظ رکھنی چاہیے۔ ٹھیک ہے لیکن اس سے پہلے ہمیں اس ملک میں اپنے بھائیوں کے ساتھ رہنا چاہیے اگر ہم اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ نہ رہ سکے تو کیا ہم برادرانِ وطن کے ساتھ رہ سکیں گے، اگر ہم اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ اشتراکِ عمل نہ کر سکے اور اکثریت کے ساتھ اشتراکِ عمل پر آمادہ ہو گئے تو ہمارا حشر صرف ایک ہوگا، مکمل انضمام اور اپنی شخصیت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ!

سوچنے کا ڈھنگ یہ نہ ہونا چاہیے کہ چونکہ ہمارا اس ملک میں رہنے کا فیصلہ ہے اور اکثریت سے بہرحال واسطہ ہے اس لئے کوئی ایسا راستہ تلاش کرنا چاہیے کہ اکثریت کے سہارے ہم زندگی گذاریں

سوچنے کا ڈھنگ یہ ہونا چاہیے کہ اپنے جائز مقام اور جائز حقوق کے حصول کے لئے ہم خود کیا کر سکتے ہیں ہمیں خود کیا کرنا چاہیے۔ اور اس کے لئے کیا طریقے اختیار کئے جا سکتے ہیں۔

سوچنے کا ڈھنگ یہ نہ ہونا چاہیے کہ برادرانِ وطن کی بدگمانیاں کسی طریقہ سے دور کر دی جائیں تو یہ مسئلہ حل ہو جائیگا، یا ان میں سے انصاف پسند اور انسانیت دوست عنصر سے اپیل کی جائے اور اس کی مدد حاصل کی جائے۔

یہ طریقۂ فکر نہ صرف بے سود اور لاحاصل ہے بلکہ اس سے مسلمانوں میں سخت قسم کی شکست خوردگی مایوسی اور احساسِ کمتری پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے جس کی زیادتی کے بعد وہ تیز سے تیز انجکشن لگانے پر بھی بیدار نہ ہوں گے، اس سے وہ خود اپنی نظروں میں ذلیل اور ہر قسم کی ذلت و حق تلفی برداشت کرنے پر تیار ہو جائیں گے اور ان میں بد سے بدتر حالات کو انگیز کرنے کی افسوس ناک اور عجیب و غریب صلاحیت پیدا ہو جائے گی اور "مرگِ مفاجات" کا وہ دردناک سانحہ خدانخواستہ اور جگہوں پر بھی پیش آنے لگے گا جس کا منظر رو‌ڑکیلا اور جمشیدپور کی زمین و آسمان نے دیکھا ہے اور وہ سب کچھ ممکن ہو جائے گا جو اس وقت ناممکن نظر آ رہا ہے۔

جو تھا ناخوب تبدریج وہی خوب ہوا

بلکہ سوچنے کا ڈھنگ یہ ہونا چاہیے کہ خود مسلمانوں کی آپس کی بدگمانیاں کس طرح دور کی جائیں اور ان میں سے قابلِ اعتماد اہلِ بصیرت صاحبِ صلاحیت اور حوصلہ مند افراد کو ایک لڑی میں کس طرح پیوست کیا جائے کہ یہ موتی دوبارہ نہ بکھرنے پائیں اور یہ لڑی پھر نہ ٹوٹے۔

سوچنے کا ڈھنگ یہ ہونا چاہیے کہ مسلمانوں کے اندر اتحادِ فکر و عمل اور جرأت و حق پرستی کے اوصاف کو کن طریقوں سے پیدا کیا جائے اور اس کے لئے کیا تدبیریں اختیار کی جائیں۔

کوئی شبہ نہیں کہ ان میں سے بعض باتیں اپنی جگہ پر مفید ہیں اور ان کو بھی کرنا چاہیے اور ان سے ہمارے مقصد کو تقویت پہنچے گی لیکن یہ سب مشروط ہیں، ان میں سے کوئی چیز یا سب مل کر صورتِ حال میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں پیدا کر سکتیں۔ یہ اگر مفید ہوں گی تو صرف اس وقت جب مسلمان اپنے لئے کوئی متفقہ لائحۂ عمل اور مشترکہ جد و جہد تجویز کر کے اس پر گامزن ہو جائیں گے۔

ایک مسئلہ ایک حل

خوب یاد رکھئے اور موٹے موٹے حرفوں سے جہاں چاہے لکھ دیجئے کہ عزت کی زندگی تاریخ کے کسی دور میں اور روئے زمین کے کسی حصہ میں دستِ سوال پھیلا کر اور نگاہیں نیچی کر کے نہیں ملی۔

نگاہیں نیچی رکھ کر کے آج دو پیسے کی بھیک بھی نہیں ملتی اور لوگ فقیر کو ڈانٹ ڈپٹ کر یا سلام کر کے آگے روانہ کر دیتے ہیں۔

جس چیز نے ہمیں سب سے زیادہ نقصان پہنچایا جس نے ہمیں جگہ جگہ ذلیل کیا، جس نے ہمارے کیس کو کمزور کیا، جس نے فرقہ پرست طاقتوں کو شہ دی جس نے ان کو ہماری طرف سے بالکل مطمئن اور فارغ البال کر دیا اور ان کو پوری دلجمعی یکسوئی کے ساتھ منصوبے بنانے اور پھر پوری دلجمعی و یکسوئی کے ساتھ ان پر منظم طور پر عمل کرنے کی سہولت بخشی جس نے ہمارے احتجاج کو بے وقعت، ہماری مخالفت کو بے قیمت اور ہماری آواز کو بے اثر بنا دیا وہ چیز صرف ایک ہے۔

ہمارا باہمی اختلاف!

اس کی وجہ سے ۵ کروڑ کی اتنی بڑی حقیقت بے حقیقت بن گئی ہے اور کسی کو نظر ہی نہیں آ رہی ہے نہ فسادات کے ذریعہ نسل کشی کسی کو نظر آ رہی ہے نہ پولیس، فوج داخلہ اور سول سروس میں مسلم دشمنی کسی کو نظر آ رہی ہے، نہ دفاتر اور دوکانوں اور کارخانوں میں مسلمانوں کی تحقیر اور ان کے ساتھ ناانصافی کسی کو نظر آ رہی ہے۔

متفقہ لائحۂ عمل اور مشترکہ جدوجہد

اس مسئلہ کا حل بھی صرف ایک ہے۔ متفقہ لائحۂ عمل اور اس کے لئے مشترکہ جدوجہد اول الذکر کا نتیجہ مکمل تہذیبی ارتداد یا ذلت کی موت ہے۔

دوسری چیز کا نتیجہ عزت کی زندگی اور دنیا و آخرت میں بقاء دوام ہے۔

کیا ہمارے قائدین و رہنما و مفکر، اجتماعِ اس اہم حقیقت کو اپنے سامنے رکھیں گے؟

بقیہ اٹھ کے خورشید کا سامان سفر تازہ کریں

اور بزدلی و مرعوبیت کی فضا مسلمانوں میں سے ختم ہو جائیگی۔

دوسری چیز یہ کہ قوم میں ایثار اور قربانی کا مادہ پیدا کیا جائے۔ شاعر نے "فقرِ بوذری" کو بھی وسیع مفہوم میں لکھا ہے۔ حضرت ابوذرؓ کا فقر اختیاری تھا وہ مال کے سخت دشمن تھے۔ مال ملتے ہی فوراً اسے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور اپنے پاس رکھنا حرام سمجھتے تھے۔ اگر دین کی اشاعت، ملت کی بقا و ترقی اور محتاجوں کی حاجت روائی کی خاطر آج بھی کوئی شخص اگر بوذری فقر" اختیار کرے تو وہ قابلِ صد ستائش ہے مگر یہ نہیں ہو سکتا تو کم از کم ہمارے امیروں کو عثمان غنیؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی مثالوں کو سامنے رکھنا چاہیے اور غریب اور متوسط طبقہ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ اور دوسرے غریب و تنگدست صحابۂ کرامؓ کے اسوہ کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ جو دین و ملت کے تقاضے پر جان کے علاوہ مال کی بھی بکثرت قربانی سے کبھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

آج ہمارے ملک میں بے شمار مسلمان دولتمند ہیں مگر امت کے اجتماعی مفاد کی خاطر ان کے مال کا ایک فیصدی حصہ بھی صرف نہیں ہو رہا ہے۔ نفلی حج، سیرت کے جلسے اور چند دینی اسفار کے مصارف کو ہی اس طبقہ نے انفاق فی سبیل اللہ سمجھ لیا ہے اور اپنی جگہ مطمئن ہے چھ کروڑ کی اقلیت کا ایک بھی انگریزی اخبار نہیں جو حکومت اور اکثریت کے سامنے مسلمانوں کی صحیح ترجمانی کرے۔

پورے ہندوستان میں دس آدمی بھی ایسے باصلاحیت فارغ نہیں کئے گئے جو اپنے مسئلہ معاش کی طرف سے یکسو ہو کر ہمہ وقت ملت کے اجتماعی کاموں میں منہمک ہوں اور قوم کی صحیح رہنمائی کریں۔

لاکھوں غریب مسلمان نانِ شبینہ کو محتاج ہیں مگر ان کے پڑوس میں رہنے والے امیروں کو اپنی تعیشات سے فرصت نہیں۔ حالانکہ موجودہ حالات میں ان مالداروں کا سرمایہ بھی خطرہ میں ہے اور کب انقلاب انھیں محتاج کر دے اس کا کوئی اندازہ نہیں۔

لہٰذا بحیثیت مجموعی امت کے تمام افراد میں انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ پیدا کرنا انتہائی ضروری ہے تاکہ ہمارا کوئی ملی کام سرمایہ کی کمی کی وجہ سے معطل نہ ہو جائے۔

تیسری چیز اسلام کے مطلوبہ کیرکٹر کو عمومی طور پر پیدا کرنے کی ہمہ گیر کوشش ہے۔

اقبال نے "صدقِ سلمانی" بھی وسیع مفہوم کہا ہے، بدر و احد، خندق و یرموک، قادسیہ و مدین کے رزم گاہوں سے لیکر حکومت و سلطنت کے ایوانوں تک خدا پرستوں نے خدا کے پسندیدہ اخلاق ہی کے ذریعہ دلوں میں گھر کیا ہے اور خدا کی نصرت حاصل کی ہے۔

ہندوستانی مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں ان میں تو مومنانہ صفات و کردار کو عملی زندگی میں پیدا کرنے کی شدید ضرورت ہے جس کے نتیجے میں غیروں کے دلوں میں کشادگی پیدا ہوگی اور ہمارے نکالنے کے منصوبوں کے بجائے ہمیں روکنے کی تدبیروں میں یہ لگ جائیں گے اور یہ بھی بعید نہیں کہ اسی ملک میں سے

"پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے"

یہ منظر آنے والی نسلیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

(بقیہ ۱۵ صفحہ پر)

قرآن کا پیغام

مولانا محمد اویس ندوی نگرامی

زین للذین کفروا الحیوۃ الدنیا ویسخرون من الذین اٰمنوا والذین اتقوا فوقھم یوم القیامۃ واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب (بقرہ ۲۰۰)

خوش نما کر دی گئی ہے دنیوی زندگی ان لوگوں کی نظر میں جو کافر ہیں اور وہ ان لوگوں سے تمسخر کرتے ہیں جو ایمان لائے ہیں درآنحالیکہ جو لوگ ڈرتے ہیں وہ ان سے ذکیں اوپر ہوں گے قیامت کے دن اور اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔

دنیا کے ظاہری ساز و سامان، جاہ و حشم اور شان و شوکت نے ہمیشہ انسانوں کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی ہے یہ چیزیں گو فانی اور بے حقیقت ہیں لیکن نا فہم انھیں مادی لذتوں کو اہمیت دیتے ہیں اور اسی پیمانہ سے سب کو ناپتے ہیں۔

مکہ کے مشرکین کو حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں جو شکوک تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔

وقالوا لن نؤمن لک حتیٰ تفجر لنا من الارض ینبوعاً اوتکون لک جنۃ من نخیل و اعناب فتفجر الانھار خلٰلھا تفجیرا (بنی اسرائیل ۱۰)

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لادیں گے جب تک آپ ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کر دیں یا خاص آپ کے لئے کھجور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہو پھر اس باغ کے بیچ بیچ میں جگہ جگہ بہت سی نہریں آپ جاری کر دیں

یعنی وہ نبی کو ایک دنیاوی بادشاہ کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے ہیں ان کے نزدیک عظمت اور بلندی کا معیار صرف یہی چیزیں تھیں، اسی لئے وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ:۔

اویکون لک بیت من زخرف (بنی اسرائیل ۱۰)

یا آپ کے پاس کوئی سونے کا بنا ہوا گھر ہو۔

سورۂ الفرقان میں کافروں کا قول نقل کیا گیا۔

اویلقیٰ الیہ کنز اوتکون لہ جنۃ یاکل منھا (الفرقان)

یا اس کے پاس کوئی خزانہ گرتا یا اس کے پاس باغ ہوتا جس سے یہ کھایا کرتا

یہ مادی عشرتیں جب کسی کی زندگی کا مقصود بن جاتی ہیں اور یہ ظاہری آسائشیں جب کسی کی نگاہ میں کامیابی اور ناکامی کا معیار بن جاتی ہیں اور یہ ظاہری آسائشیں جب کسی کی نگاہ کے باوجود اپنے پاس مال و متاع نہیں رکھتے، سیم و زر کے وہ مالک نہیں ہوتے، محل اور کوٹھیاں ان کے پاس نہیں ہوتیں اور لباس فاخرہ ان کے زیب بدن نہیں ہوتا تو یہ نادان اور کم عقل ان کو ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کو اپنی مجلسوں میں باریابی کے لائق نہیں سمجھتے ہیں بلکہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان کی غربت و کم مائگی کو ان کی محرومی کی نشانی جانتے ہیں

ابتدائے اسلام میں مکی زندگی مسلمانوں کے لئے ابتلاء و آزمائش کی عجیب زندگی تھی ایک طرف فقر و فاقہ اور تنگ دستی ان کے بہترین ساتھی تھے، دوسری طرف ظالم اور جفا پیشہ اشخاص کے جور و ستم کے یہ نشانہ تھے ان حالات کو دیکھ کر کفار مکہ ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ یہی مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ (صلی اللہ علیٰ صاحبہا) گئے تو وہاں کے یہود نے ان فقرائے مہاجرین کے ساتھ تمسخر کرنا شروع کیا۔

قرآن مجید نے مسلمانوں کی اس صورت حال کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا:۔

ویسخرون من الذین اٰمنوا (بقرہ ۲۶)

اور وہ لوگ ان لوگوں سے تمسخر کرتے ہیں جو ایمان لائے ہیں۔

سورۂ تطفیف میں تمسخر کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے

ان الذین اجرموا کانوا من الذین اٰمنوا یضحکون واذا مروا بھم یتغامزون واذا انقلبوا الیٰ اھلھم انقلبوا فکھین واذا راوھم قالوا ان ھٰؤلاء لضالون

جو لوگ مجرم تھے وہ ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے اور جب ان کے سامنے سے ہو کر گزرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے اور جب اپنے گھر کو جاتے تو دل لگیاں کرتے اور جب انکو دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں۔

قرآن مجید نے اس استہزاء و مذاق کا ایک اصولی جواب تو یہ دیا

واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب (بقرہ ۲۶)

اور اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔

یعنی مال و دولت کی یہ افراط اور سامان معیشت کی یہ فراوانی خدا کے یہاں تمھارے مقبول ہونے کی علامت نہیں ہے۔ ان چیزوں کا تعلق اللہ تعالےٰ کے مصالح تکوینی سے ہے، نہ تم اس پر مغرور ہو اور نہ دوسرے اس سے مرعوب ہوں، دوسرے یہ کہ آج تم زندگی کے جس ساز و سامان پر فخر کر رہے ہو ممکن ہے تم سے لیکر کل ان کو دے دیا جائے تم جن کا مذاق اڑا رہے ہو، چنانچہ یہی ہوا بھی، انھیں غریبوں کو جن پر یہ کا ز ہنستے تھے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے مال و متاع پر اور فارس اور روم کی عظیم الشان حکومتوں پر قابض کرا دیا، کفار کے استہزا کا یہ جواب تو اسی دنیا سے متعلق تھا، لیکن اسکا دوسرا جواب یہ ہے۔

والذین اتقوا فوقھم یوم القیامۃ (بقرہ ۲۶)

درآں حالیکہ جو لوگ ڈرتے رہتے ہیں وہ ان سے ذکیں اوپر ہوں گے قیامت کے دن!

یعنی یہ دنیا فانی ہے، اس کے ساتھ معاش کی فراغت بھی فنا ہو جائے گی۔ اصل عظمت اور بلندی تو آخرت کی ہے اور وہاں یہ صاحبان تقویٰ تم سے بڑھے ہوئے ہوں گے یہ علیین کی بلندیوں میں ہوں گے اور تم اسفل السافلین کی ذلتوں میں ہوگے! اس دن کا نقشہ یہ ہوگا۔

فالیوم الذین اٰمنوا من الکفار یضحکون علی الارائک ینظرون ھل ثوب الکفار ما کانوا یفعلون (تطفیف)

سو آج ایمان والے کافروں پر ہنستے ہوں گے مسہریوں پر دیکھ رہے ہوں گے، واقعی کافروں کو ان کے کئے کا خوب بدلہ ملا

یعنی تم جن کو احمق اور بے عقل سمجھتے تھے، تم جن پر پھبتیاں کستے تھے اور جن سے خوش طبعی کرتے تھے جن کے متعلق تمھارا خیال تھا کہ انھوں نے موجود اور محسوس لذتوں کو جنت کی خیالی لذتوں پر یہاں کے نقد کو وہاں کے ادھار پر چھوڑ رکھا ہے، اب آج وہ ہماری بدحالی دیکھ کر ہنس رہے ہیں۔

آیات بالا کا تعلق صراحۃً اہل کفر سے تھا لیکن ضمناً یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر خدانخواستہ ہم بھی اس جرم کے مرتکب ہوں کہ دنیاوی مال و متاع کو اصل مقصود بنا کر ان صاحبان دین و تقویٰ کو نظر حقارت سے دیکھیں جو خدا کے مصالح تکوینی کی بنا پر ظاہری مال و متاع کی فراوانی سے محروم ہوں تو یہ معمولی جرم نہیں ہے ہم کو اس سے متنبہ اور ہوشیار رہنا چاہئے کہ اصل عزت آخرت کی عزت ہے اور اصل دولت ایمان و تقویٰ کی دولت ہے۔

براہ کرم
خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے (منیجر)

قسط وار

مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

حضرت سید ضیاء النبیؒ

مولانا سید عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ

تذکرہ نزہتہ الخواطر (عربی) کی آٹھویں جلد میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت سید ضیاء النبی مولوی سید سعید الدین کے صاحبزادہ قطب الاقطاب شیخ اجل حضرت سید شاہ علم اللہ نقشبندیؒ کی چھٹی پشت میں ہیں، دنیا کی برکت، خلقت انسانی کے مقصد کے حامل (وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کی تفسیر) اور معرفت کے لب لباب تھے ان کا وجود اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ رائے بریلی میں اپنے جد امجد حضرت علم اللہ کے دائرہ میں ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے احتیاط و نگہداشت، عفت و طہارت اور للہیت میں نشو و نما ہوا۔ کچھ ابتدائی تعلیم رائے بریلی میں حاصل کی پھر پیدل دہلی کا سفر کیا بیس دن میں پہونچے۔ حضرت شاہ احمد سعید اور مولانا شاہ عبد الغنی صاحب کا زمانہ تھا، انھیں کی خانقاہ (مجددیہ) میں قیام کیا، دو سال ٹھہر کر مولانا حبیب اللہ صاحب سے کچھ درسی کتابیں پڑھیں، پھر والد کی طلب پر وطن واپس آئے اور کچھ دن ٹھہر کر لکھنؤ گئے، دبیر الدولہ کی مسجد میں مفتی سعد اللہ صاحب مرادابادی کے پاس قیام کیا اور ان سے اور بعض دوسرے علماء سے کچھ درسی کتابیں پڑھیں، پھر وطن واپس تشریف لائے اور مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی سے طریقت کی تعلیم حاصل کی اور ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہے، پھر وطن واپس آگئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ خواجہ فیض اللہ اورنگ آبادی سے مزید تربیت حاصل کی اور انکے مجاز طریقت ہوئے۔

۱۲۹۳ھ میں حج سے مشرف ہوئے حج سے واپسی پر علماء و مشائخ کا بکثرت رجوع ہوا اور انھوں نے حاضر ہو کر طریقت کی تعلیم اور فیوض روحانی حاصل کئے، مریدین میں سے مولانا ابو الخیر محمد مکی جونپوری ابن مولانا سخاوت علی مولانا محمد سعید واتی ... مولانا محمد ابراہیم آروی صاحب طریق النجاۃ مولانا عبد القادر بن عبد اللہ ساکن مئو مولانا سید محمد امین نصیر آبادی وغیرہ ہیں، راقم الحروف کو بھی صحبت کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ میں نے آپ سے طریقۂ احسنیہ کی تعلیم حاصل کی، اور بعض ابتدائی کتابیں بھی پڑھنے کا شرف حاصل ہے آپ کو مجھ سے بڑی محبت تھی اور مجھ پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ جب اللہ تعالےٰ نے مجھے ہندوستان کے اساتذۂ حدیث کی خدمت میں حاضر ہونے کی توفیق بخشی اور وطن واپس ہوا تو آپ نے مجھے حصن حصین، نسائی اور ابن ماجہ کی اجازت دی۔ یہ میرے لئے اتنا بڑا فخر اور اتنی بڑی سعادت ہے کہ میں امید کرتا ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے میری مغفرت فرما دے (نزہتہ الخواطر)

حضرت سید ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ کے دینی امتیاز کو بیان کرنے کے لئے مشہور حدیث قدسی کے الفاظ "قرب بالفرائض" سے بہتر کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی، اخلاص و استقامت، فرائض کے ادا کرنے کا اہتمام، عبادات میں خشوع و خضوع، نماز، تلاوت کا سچا عشق اور ان میں محویت و استغراق یہ ان کا امتیاز تھا اور اسی امتیاز نے ان کو ابنائے زمانہ میں بہت ممتاز کر دیا تھا، ان کے خشوع فی الصلوٰۃ کے قصے سن کر اکابر سلف کی یاد تازہ ہوتی ہے،

مولوی سید فخر الدین صاحب جو ان کے عزیز اور برادر طریقت ہیں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"بغایت التفات بحضرت حق و اتباع سنن حضرت رسول مقبول بکار داشتہ پرداز و غیر از اذکار و اشغال و مراقبہ و اوراد و نوافل بہ سوے صلوٰتے و التزام جماعت و حضور مسجد در اوائل اوقات صلوٰۃ کارے ندارد، از بدو شعور و پیشیں از ارادت مجتنب از منہیات و متعہد بطاعات بودہ است و در عبادات نہایت اخلاص و در نماز خشوع و خضوع و طمانیت و در صوم و غیرآں نیز از پرہیز از غیبت و کذب نصیب اوست"

(مہر جہانتاب ص ۱۲)

سیرۃ السادات" میں لکھتے ہیں:۔

امروز در اتباع حضرت خیر الانام صلعم و سلوک بطریقۂ آباء عظام خود در خاندان خویش نظیر ندارند سوا قال اللہ و قال الرسول و ذکر خیر و نصائح در صحبت شان چیزے نیست و یک نماز خوانند منتظر نماز دیگر می باشند کہ علامت اولیاست خشوع و خضوعیکہ امروز در نماز او شان راست بنظر نمی آید و در کار شریعت رعایت کے ندارند گو ہمہ عزیز باشند بسیارے از علماء و سادات و شیوخ از دور و نزدیک بہ بیعت ایشاں فیضیاب شدہ گشتہ ایشاں رابجہہ ودیعت کردہ تکمیل خود در سلوک می نمایند حق است کہ دریں زمانہ تمام بزرگان و اسلاف ایں خاندان بجز ایشاں نماند۔ اتقاکیے در عزایشاں برکت دہد و سایۂ ایشاں بر سر ما تا دیر دارد"

تربیت سلوک اور فیض باطنی میں شیخ کامل تھے نسبت بڑی قوی اور توجہ بڑی مؤثر تھی، قوت نسبت اور تاثیر کے واقعات آپ کے مریدین و مستفیدین بیان کرتے ہیں، مولانا سید عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ جو خود مشائخ ہندوستان سے فیضیاب تھے اور علم باطن میں صاحب بصیرت فرماتے تھے کہ

"حضرت شاہ ضیاء النبی اور جناب والد ماجد حضرت سید فخر الدین صاحب مہر جہانتاب کی توجہ سے جو منازل منٹوں میں حاصل ہوئے وہ اور طریقوں کے مطابق برسوں میں حاصل ہوئے بات یہ ہے کہ حضرت سید صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کو درگاہ خداوندی سے جو مجددیت کا شرف حاصل ہوا تھا اس کا منشا یہی تھا کہ اس متمدن زمانہ کے کثیر الاشغال و ضعیف البنیان نفوس کے لئے سلوک راہ عبودیت کو آسان بنا دیا جائے۔"

(تاریخ گجرات ترجمہ مصنف)

آپ کے ایک خلیفہ حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی سے جو نفع پہونچا اور عقائد و اعمال کی جو اصلاح ہوئی اس کے اثرات رائے بریلی، پرتاب گڈھ، سلطانپور، جونپور، اعظم گڈھ کے قصبات و دیہاتوں میں دیکھے جا سکتے ہیں ان کے مریدین میں جو تشرع و استقامت، فرائض کی پابندی اور دینی پختگی ہے اس کی مثال کم ملے گی، گو جو قوم کی اصلاح و تربیت انکی زندگی کا بڑا کارنامہ ہے آپ اپنے زمانہ میں حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ کے (جن سے آپ حضرت سید ضیاء النبیؒ کے واسطے سے بیعت ہیں) جانشین اور ان کے نمونۂ کامل تھے اور حقیقت یہ ہے کہ شریعت پر استقامت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں آپ اپنے زمانہ کے امام تھے (تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "یادگار سلف" از مولانا نجم الدین صاحب)

مولانا سید محمد عرفان رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید احمد شہید کے حقیقی نواسے تھے والد کا نام سید یوسف تھا جو سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے محبوب بھتیجے سید محمد یعقوب کے صاحبزادے تھے ۱۲۸۵ھ میں ٹونک میں ولادت ہوئی مختصرات ٹونک کے علماء و اساتذہ سے پڑھیں پھر دیوبند کا سفر کیا اور بعض درسی کتابیں مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، پھر دیوبند کا سفر کیا گئے اور باقی کتابیں مولانا قاضی عبد الحق کابلی سے ختم کیں، صحاح ستہ کا درس مولانا مفتی عبد القیوم ابن مولانا عبد الحی بڈھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے لیا

(باقی آئندہ)

پندرہ اگست

وحید الدین خاں

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی شام ہم میں سے اکثر لوگوں کو یاد ہوگی۔ یہی وہ شام ہے جبکہ ہندوستان کو آزادی ملی۔ اس روز ہندوستان کا ایک ایک شہر چراغوں کی روشنی سے جگمگا اٹھا تھا۔ سارے ملک نے بڑی دھوم کے ساتھ آزادی کی خوشی منائی تھی لیکن اگلے دن جب ہم سو کر اٹھے تو تمام چراغ بجھ چکے تھے اور اس کے بعد وہ پھر کبھی نہیں جلائے گئے۔ اب بھی پندرہ اگست آتی ہے مگر ملک کو اب اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ عام شہریوں کے نزدیک اس کی اہمیت صرف اتنی ہے کہ کیلنڈر میں ۱۵ اگست کی تاریخ سرخ روشنائی سے چھپی ہوئی ہوتی ہے جو اس بات کا نشان ہے کہ آج تمام سرکاری دفتروں اور جنکوں میں تعطیل ہوگی۔ اب پندرہ اگست صرف ایک سرکاری تہوار ہے جس میں سرکاری عمارتوں میں کچھ تقریبات ہوتی ہیں اور اسکول کے ماسٹروں کو احکام بھیج دیے جاتے ہیں کہ وہ بچوں کا جلوس لے کر نکلیں اور سڑکوں اور گلیوں میں کچھ نعرے لگوا دیں۔

ہندوستان کی آزادی ہمارے ملک کے لئے اس صدی کا سب سے بڑا واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ واقعہ ہے جس کو وجود میں لانے کے لئے پچھلے ایک سو سال سے ہمارے ملک کے بہترین دماغ اور بہترین ذرائع وسائل لگے ہوئے تھے اور جس کے لئے سارا ملک چشم براہ تھا۔ آزادی حاصل کرنے کے لئے لوگ کس درجہ بیقرار تھے اس کا اندازہ آپ اس واقعہ سے کر سکتے ہیں کہ امرت بازار پتریکا کے سابق اڈیٹر آنجہانی موتی لال گھوش جب ۱۹۲۰ء میں انتقال کرنے لگے تو انھوں نے کہا:

"اب میں ایسی دنیا میں جا رہا ہوں
جہاں برطانوی راج نہ ہوگا۔"

مگر یہی آزادی جس کا لوگوں کو اس قدر انتظار تھا اور جو اتنی لمبی کوششوں کے بعد حاصل ہوئی تھی چند سال بھی نہیں گزرے تھے کہ لوگ اسے بھول گئے۔ آج صرف موتی لال گھوش نہیں بلکہ ہندوستان کی پوری چالیس کروڑ آبادی ایک ایسی دنیا میں ہے جہاں برطانوی راج نہیں ہے انگریزی غلامی کے خاتمے کو سترہ سال گزر چکے ہیں۔ مگر حال یہ ہے کہ اب بھی ہماری سڑکوں پر "انقلاب زندہ" کے نعرے سنائی دیتے ہیں جیسے وہ آزادی سے پہلے سنائی دیتے تھے ٹرین، بس، پارک، بازار، غرض کوئی بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کچھ لوگ جمع ہوتے ہوں اور آزاد ہندوستان اور آزادی کے بعد بننے والے نظام پر تنقیدیں نہ کیجاتی ہوں۔

ایسا کیوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ جس آزادی کو چاہتے تھے وہ محض سیاسی آزادی نہیں تھی، اگر ایسا ہوتا تو انھیں مطمئن ہو جانا چاہئے تھا۔ کیونکہ ۱۵ اگست کو ہندوستان انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو چکا ہے اور اب ہمارے ملک میں اپنے ملکی نمائندوں کی حکومت قائم ہے۔ آزادی کا مطلب لوگوں کے ذہنوں میں ایک ایسی بھرپور اور شاداب زندگی تھی جو یہاں کے باشندوں کو سکھ چین سے مالامال کر دے۔ لوگ سمجھتے تھے کہ انگریز چلے جائیں گے تو ہماری اپنی حکومت ہوگی۔ اس وقت ہم اپنی مرضی کے مطابق گنگا جمنا کے اس دیس میں ایک نیا ہندوستان بنائیں گے۔ جہاں افراد کے لئے صحیح آزادانہ زندگی گزارنا ممکن ہوگا۔ جہاں انسانیت ترقی کر سکے گی۔ جہاں کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوگی اور ہر شخص اپنی صلاحیت اور کوشش کے مطابق مادی خوشیاں حاصل کر سکے گا۔ سترہ سال کا تجربہ بتاتا ہے کہ آزادی نے انھیں یہ سب چیزیں نہیں دیں۔ اس لئے وہ مایوس ہیں۔ "پندرہ اگست" میں اب ان کے لئے کوئی کشش نہیں ہے۔

یہ تجربہ بتاتا ہے کہ اصل مسئلہ صرف اتنا نہیں ہے کہ غیر ملکی حکمرانی ختم ہو اور اپنے ملک کی حکمرانی قائم ہو جائے ہم اپنے ملک میں یہ منظر دیکھ رہے ہیں کہ غیر ملک والوں کی حکومت ختم ہو گئی مگر اس کے بعد خود اپنے ملک والے وہی ظلم اور لوٹ کھسوٹ کرنے لگے جو پہلے باہر والے کیا کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اصل مسئلہ حکومت کا بدلنا نہیں بلکہ انسانوں کا بدلنا ہے۔ اگر انسان بدل جائیں تو سارا نظام درست ہو جائے۔ اور اگر انسان نہ بدلیں تو کسی بھی قسم کی حکومت صورت حال میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء نے ہندوستان سے انگریزوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ مگر مصائب اور آلام کے خاتمہ کے لئے اس سرزمین کو ایک اور پندرہ اگست کا انتظار ہے جب انسان کے دل سے حرص کا مرض ختم ہو جائیگا جب وہ دوسرے کی شخصیت اور املاک کا اسی طرح احترام کرے گا جیسے وہ خود اپنے بارے میں چاہتا ہے۔ جب وہ انصاف کو اپنا مذہب بنائے گا اور دھوکا دینا اور دوسروں کو نقصان پہنچانا اپنے اوپر حرام کرے گا۔

وہ دن حقیقی خوشی کا دن ہوگا۔ اس دن خواہ تیل کے چراغ نہ جلیں مگر دلوں کے چراغ روشن ہو جائیں گے جو کبھی بجھنے والے نہیں۔

سیرت
مولانا سید محمد علی مونگیری رح
بانی ندوۃ العلماء

از: سید محمد الحسنی ——— ایڈیٹر: تعمیر حیات و البعث الاسلامی

★ ایک عہد کے نقوش ★ ایک تحریک کی سرگزشت ★ ایک عظیم شخصیت کا تعارف

ندوۃ العلماء کے تخیل اور نصب العین اس کے کردار اس کی خدمات و خصوصیات اور اس کے بانی و اولین رہنما کے سوانح حیات اور حالات و کمالات سے واقفیت کیلئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

سوا چار سو صفحات۔ معیاری کتابت و طباعت مجلد مع گردپوش قیمت ۱۲ روپے

پتہ مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

رہنمایانِ ملت سے

مولانا محمد ثانی حسنی

قائدین ملک و ملت رہنمایان کرام — اک گزارش ہے مری آج آپ سے با احترام

کیا کروں مجبور ہوں میں عرض کرنے کیلئے — بے زباں میری مگر ہے آرزوئے خاص و عام

آپ خود ملت کے درد و کرب سے بےچین ہیں — اس لئے اسکی بقا کا ہے نہایت اہتمام

غور کرنے کیلئے ہیں سیکڑوں ہی مسئلے — بے قرینہ ہو چکا ہے آج ملت کا نظام

ہے مزاج اس ملتِ مرحوم کا سب سے الگ — دوسری قوموں سے بالکل ہی جدا اسکا مقام

ہے مسلمانوں کی امت امتِ خیر الامم — اسکو حاصل ہے مبارک نسبت خیر الانام

ہے زباں پر جسکے ہر دم اشہدان لاالٰہ — رہ نہیں سکتا کبھی بھی وہ من و تو کا غلام

بھیک مانگے غیر سے بن کر گدائے بے نوا — مدتوں تک جو رہا ہو ساری قوموں کا امام

یہ ہو شاہیں اسکے حق میں خاکبازی مرگ ہے — کرگسوں کی زندگی تا حشر ہے اس پر حرام

کیا کہوں اسکی متاع دین و دانش لٹ گئی — کھو گئی تیغ خودی اور رہ گئی خالی نیام

ملت اسلام کا اب کارواں بے میر ہے — لے قیادت کا علم بڑھ کر کوئی عالی مقام

ہے ضرورت آج ملت کو کلیمؑ طور کی — جو سنائے دہل اسکو کا تحفہ کا دے پیام

جو بھی کود ے آتش نمرود میں مثلِ خلیلؑ — اسکے ہی ہاتھوں میں ہوگی آج ملت کی زمام

حکمتیں بھی عام ہیں ہوش و خرد بھی عام ہے — اسکی کوشش چاہئے ہو "شیوۂ رندانہ عام"

زورِ حیدرؓ چاہئے اور فقر بوذرؓ چاہئے — آجکی دنیا میں امت کا بنے گا جب ہی کام

ہے اگر پیش نظر پوری حقیقت آپ کے — کامرانی لے قدم میری دعا ہے صبح و شام

ہو مبارک آپ کا یہ مشورہ یہ اجتماع
اس مبارک کام کی برکت کو حاصل ہو دوام

مردانِ حق

ابوالاسرار رمزی اٹاوی

باطل سے جنگ حق کی حمایت کا راستہ
کتنا ہے پرخطر یہ شہادت کا راستہ
حمزہؓ شہید ہوتے ہیں اس میں حسینؓ بھی
اس راستہ میں آتے ہیں بدر و حنین بھی
ٹھکرا کے عیش سر بکف میداں میں آ گئے
باطل سے لڑنے صف بصف میداں میں آ گئے
حق نے رگ حیات ستم گار کاٹ دی
گردن کٹا کے ظلم کی تلوار کاٹ دی
مردان حق کا جذبۂ طاعت نہ پوچھئے
ملتی ہے کیا جہاد میں لذت نہ پوچھئے
وہ خاک و خوں کی راہ سے جنت میں کھو گئے
فرض اپنا پورا کر کے سبکدوش ہو گئے
مر کر خدا کی راہ میں وہ زندہ ہو گئے
بجھ کر چراغ اور بھی تابندہ ہو گئے

نعت شریف

اسیر ادروی

تعالی اللہ تیری بزم میں یہ جلوہ سامانی — کہ حیرانی لگا غفلت کدوں میں نور یزدانی

ترا طرزِ سخن ہے رشکِ حکمت ہائے لقمانی — ترا نقش قدم چشمک زنِ تختِ سلیمانی

جبین ناز تیری لوحِ محفوظ ہے گویا — ترا گیسوئے شام افروز ہے آیات قرآنی

ترا قلب مصفا خود تجلی گاہ ایمن ہے — تری ہر اک نظر میں طور کی ہے جلوہ سامانی

ترے گیسوئے شبگوں میں ہے شام ابد پنہاں — رُخِ زیبا سے پیدا صبح کعبہ کی درخشانی

ترا ہے تو نے بیڑا اس ہلاکت خیز طوفاں میں — کہ بل کھاتا ہے جب بحر عرب میں زور طغیانی

نگاہ ناز کا تیری یہ اک ادنیٰ کرشمہ ہے — گڈریوں کو سکھائے جس نے اسرار جہانبانی

تری شمع تجلی کی ضیا پاشی ہے عالم میں — ابد تک تیری مرہون کرم ہے بزم انسانی

سکون جاوداں بزم جہاں کو بخشنے والے
اسیر غم زدہ کو بخش دے جذبات حسانیؓ

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ تعمیری منصوبوں کا آغاز

برجیوں کی تکمیل، جدید اور وسیع مطبخ، اساتذہ کیلئے کوارٹر، نئے بورڈنگ ہاؤس اور وسیع ڈائننگ ہال کی تعمیر جس میں ۵ طلبہ بیک وقت کھا سکیں گے

کیا مولانا سید محمد علی مونگیریؒ اور ان کے مخلص و روشن ضمیر رفقاء کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوگا؟

کل اور آج

اس وقت آپ دارالعلوم میں ہیں، مولانا سید محمد علی مونگیریؒ، مولانا شبلی نعمانیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کا دارالعلوم! لب دریا اس حسین و پرشکوہ عمارت کے ساتھ نہ جانے کتنی یادیں وابستہ ہیں اور درحقیقت ندوۃ العلماء کی کہانی اس عمارت سے کہیں زیادہ پرانی ہے، یہ تو اس وقت کی بات ہے جب تحریک ندوۃ العلماء نے پورے ملک میں زندگی کی ایک نئی لہر پیدا کردی تھی اور ہر جماعت اور ہر طبقہ کے افراد اس قافلہ میں شریک تھے جس نے اسلامی ہند کے سامنے علم و روحانیت استقامت اور وسیع النظری اور قلب و دماغ کا وہ حسین اور معتدل نمونہ پیش کیا جو اس عہد کی سب سے بڑی ضرورت ہے جس نے اتحاد فکر و عمل کی ہمیشہ پرزور دعوت دی اور اپنے علمی سرگرمیوں اور تاریخی اجتماعات میں ملک و ملت کے سامنے اس کا موثر مظاہرہ کیا۔

کل اور آج میں اس وقت کتنی مماثلت ہے اس شاندار ماضی کا سایہ حال اور مستقبل پر اس طرح پڑ رہا ہے کہ ماضی کی صورت حال کے آئینے میں صاف دیکھی جا سکتی ہے،

یہ ہے آج کا دارالعلوم جس کے تخیل کا یہ خاکہ پیکر آپ کی نظر کے سامنے ہے، لب دریا سڑک پار کرتے ہی آپ دارالعلوم کے وسیع احاطہ میں داخل ہو چکے ہیں اور اب آپ اسی فضا میں سانس لے رہے ہیں یہ ہیں وہ تین برجیاں جن کی اب تک تکمیل نہ ہو سکی تھی اب ان چار برجیوں میں سے تین کی تکمیل ہو چکی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے بغیر یہ عمارت بہت سونی تھی، اور چوتھی برجی مکمل ہونے کے بعد تو شاید عمارت میں چار چاند لگ جائیں۔

عمارت اور وسیع سبزہ زار گزرتے ہوئے اب آپ رواق سلیمانی میں پہونچ گئے۔ یہ دیکھئے آپ کے بائیں طرف دارالعلوم کی وسیع خوبصورت مسجد اور داہنی طرف نیا دارالاقامہ "رواق سلیمانی" ہے۔

رواق سلیمانی

یہ نئی بورڈنگ (جو مولانا سید سلیمان ندویؒ کے نام سے موسوم ہے) حال ہی میں مکمل ہوئی ہے اور ابھی اس میں مزید توسیع و اضافہ کا پروگرام ہے۔

یہ ایک جدید طرز کی دو منزلہ عمارت ہے اس کے وسیع و کشادہ کمروں سے گزرتے ہوئے اب آپ اس کے نئے خوبصورت ہال میں قدم رکھ رہے ہیں۔

مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے دارالعلوم کا خاکہ پیش کرتے وقت حسب ذیل الفاظ لکھے تھے:

"ان تجاویز کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ لڑکے ایسے مہذب اور پابند مذہب ہوں کہ دوسروں کو اپنا اثر ڈال سکیں، طالب علموں میں دلیری و بلند ہمتی و عالی نظری و فراخ حوصلگی پیدا ہو جو بغیر اس قسم کے دارالعلوم کے جس میں تمام باتیں نہایت شان و شوکت کے ساتھ ہوں حاصل نہیں ہو سکتی"

اس بورڈنگ کی تعمیر کے ساتھ شاید اسی خاکہ میں رنگ بھرنے کی کوشش کی گئی ہے ہال میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے آپ کی نظر ایک سبز ریشمی کپڑے پر پڑے گی جس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، لکھا ہے اور جو صدر مقام پر آویزاں ہے ٹھیک اس کے نیچے دو اقتباسات آپ کی نظر کو متوجہ کر رہے ہیں ایک میں ندوہ کا تخیل پیش کیا گیا ہے دوسرے میں طلبہ کی تربیت کے متعلق اساتذہ کو قیمتی ہدایات ہیں۔ یہ موخرالذکر اقتباس جو شیشہ کے ایک خوبصورت سے فریم میں آویزاں ہے سب کے پڑھنے کے لائق اور آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

"طلبہ کی ورزش کا بہت خیال رکھئے قوت اور صحت جسمانی اگر نہ ہوگی تو وہ کیا پڑھیں گے اور محنت کیونکر کرسکیں گے، اس میں آپ شرم نہ کریں مشورہ کرکے کوئی اور ورزش کرائیں۔"

"ہر وقت ان پر ایسا دباؤ نہ رہے کہ ان کے دماغ کی شگفتگی جاتی رہے حاصل یہ ہے کہ نہ تو ایسے غیر مہذب ہو جائیں جیسے عام طور پر اسکول کے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں اور نہ ایسے خائف اور پژمردہ ہو جائیں کہ بشاشت اور طباعی جاتی رہے بلکہ شرع اور تہذیب کے ساتھ بشاش بشاش رہیں"

ہلکے سبز رنگ کے اس ہال میں آپ کو جابجا مختلف فریم نظر آئیں گے اور ندوۃ العلماء کے تخیل و فکر کا ایک دلکش نمونہ آپ کے سامنے آجائے گا، اس میں مولانا محمد علی، مولانا شبلی، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے وہ الفاظ ہیں جس سے ندوۃ العلماء کی ایک زندہ، متحرک جامع، متوازن اور عملی تصویر نگاہوں کے سامنے پھر جاتی ہے اس میں اقبال کا وہ پیام بھی شامل ہے جس میں مرد مومن کی تصویر پیش کی گئی ہے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز

جلسہ گاہ۔ تربیت گاہ

یہ ہال طلبہ کے تقریری و انعامی مقابلوں، ہفتہ وار جلسوں اور دوسرے وقتی اجتماعات کے لئے ہے، اس میں لائبریری بھی ہوگی اور ان کی علمی و دینی غذا کے لئے اور دوسری چیزیں بھی، اس لحاظ سے یہ صرف ایک جلسہ گاہ نہیں بلکہ ایک تربیت گاہ اور ایک ایسا COMMON ROOM بھی ہے جہاں اپنے فکری نشوونما اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا اچھا موقع مل سکے گا! اسی ہال کے اوپر والی منزل میں ایک ہال اور موجود ہے جس کی تکمیل و ترتیب ابھی باقی ہے۔

ڈائننگ ہال

ہال کو چھوڑ کر باہر آئیے، آم کے باغ سے ہوتے ہوئے مشرقی جانب چند قدم کے فاصلے پر یہ نئی عمارت جو زیر تعمیر نظر آرہی ہے یہ نئے مطبخ کی ہے۔ مطبخ اب اس نئی عمارت میں منتقل ہو چکا ہے اس کے سامنے جو ہال نظر آرہا ہے وہ ڈائننگ ہال کے لئے ہے۔

دارالعلوم کی خصوصیت تھی کہ امیر و غریب مستطیع و غیر مستطیع سب طلبہ ساتھ مل کر کھانا کھاتے تھے۔ ۱۹۳۹ء میں یہ سلسلہ بند ہو گیا اس قدیم اور اسلامی روایت کو زندہ کرنے کے لئے یہ ڈائننگ ہال تعمیر کیا گیا ہے توقع ہے کہ اس میں ۵۰۰ طالب علم بیک وقت کھانا کھا سکیں گے مطبخ بھی نئی عمارت میں منتقل ہو گیا ہے۔

نئے کوارٹر

رواق سلیمانی کے مشرقی جانب اساتذہ کے دو نئے دو منزلہ کوارٹر نظر آئیں گے اس سے پہلے کچھ کوارٹر دوسری جگہ بن چکے ہیں۔ اب اس کے لئے یہ نئی جگہ تجویز کی گئی ہے اور مکانات کی تعمیر میں سہولت و آسائش کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔

رواق سلیمانی کے سامنے شمالی جانب آپ کو شبلی ہوسٹل نظر آئے گا اس کی دوسری منزل تعمیر ہو چکی ہے یہیے ایک نظر آپ نے سب جگہ ڈال لی لیکن اصل عمارتیں مسجد دفاتر، مہمان خانہ خود دارالعلوم کی عالی شان عمارت اس کا وسیع کتب خانہ اور نہ جانے کتنی چیزیں باقی ہیں اب اس کو دوسرے دن پر اٹھا رکھئے

نئے منصوبے جو انشاء اللہ عنقریب شروع ہونے والے ہیں ان کا ذکر رہ گیا اس کے لئے آپ کو کہیں زحمت کرنے کی ضرورت نہ ہوگی، دو تین منٹ میں اس کی تفصیلات سے آپ باخبر ہو جائیں گے۔

رواق سلیمانی کے بازو

رواق سلیمانی کی تعمیر کے وقت یہ خیال تھا کہ جس قدر گنجائش نقشہ میں کی گئی ہے وہ انشاء اللہ عرصہ تک کے لئے کافی ہوگی۔ عمارت کی تیاری پر جب طلبہ منتقل ہوئے تو اندازہ ہوا کہ عمارت ناکافی ہے اور جلد ہی اس کے دونوں بازو کی تعمیر کا کام شروع کرنا پڑے گا، چنانچہ مشرقی بازو کی تعمیر کا آغاز ہو گیا۔

توسیع مسجد

دارالعلوم کی وسیع مسجد نمازیوں کی کثرت کی بنا پر عرصہ سے تنگ دامنی کا شکوہ کر رہی ہے مسلسل تجربات نے کارکنان دارالعلوم کے سامنے مسجد اور اس کے متعلقہ وضو خانے کی توسیع کا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے لیکن اس مد میں رقم نہ ہونے کی وجہ سے کام کا آغاز نہیں ہو سکا ہے گرمی، سردی، بارش تینوں موسم میں طلبہ اور دوسرے نمازیوں کو خاصی دقت اٹھانا پڑتی ہے۔

مہمان خانہ

۱۹۳۳ء میں دارالعلوم کی اس مسجد کی تعمیر مولانا مسعود علی صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ کی نگرانی میں مکمل ہو گئی تھی اس سے ملحق مولانا ہی کی نگرانی میں ایک خوبصورت مہمان خانہ بھی تعمیر ہوا تھا لیکن دارالعلوم کے روابط بحمد للہ بڑھتے جا رہے ہیں اور موجودہ مہمان خانہ تنگ ہوتا جا رہا ہے اس لئے کئی سال سے ایک جدید مہمان خانہ کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے جس میں تمام سہولتیں مہیا ہوں اور اندرون اور بیرون ہند سے آنے والے مہمانوں کو تکلیف نہ ہو۔

اساتذہ و اسٹاف کی انفرادی اقامت گاہیں

اب تک یہ معمول ہے کہ اساتذہ کرام اور اسٹاف کے وہ حضرات جن کا تعلق شہر سے نہیں ہوتا تھا دارالعلوم ہی کی عمارت کے کسی نہ کسی کمرہ میں مقیم ہوتے ہیں لیکن دارالعلوم کے مختلف شعبہ جات برابر بڑھ رہے ہیں اور ضرورت ہے کہ اصل عمارت کو کلیۃً اور نیز تعلیم گاہ کے لئے ہی مخصوص کر دیا جائے اور وہ حضرات جو عمارت ہی میں مقیم ہیں ان کے لئے علیحدہ انفرادی اقامت گاہیں بنوا دی جائیں جن میں ایک یا دو کمرے، دالان بیرونی برآمدہ صحن، غسلخانہ اور بیت الخلاء ہو۔

عمارت برائے دارالاشاعت

دفتر "الرائد" دفتر "البعث الاسلامی" دفتر "تعمیر حیات" دفتر "ندوۃ العلماء پریس" یہ تمام دفاتر ترقی پذیر ہیں، اور ان کا پھیلاؤ بڑھتا ہی جاتا ہے۔ پریس بھی اب تک عمارت ہی کے ایک حصہ میں ہے اور اس کا پھیلاؤ بھی خاصا ہو گیا ہے توقع یہ ہے کہ ابھی یہ اور بڑھے گا ممکن ہے کہ کارکنان دارالعلوم لیتھو مشین بھی مستقبل قریب میں لگانے پر مجبور ہو جائیں تو اس وقت پریس کا یہ حصہ زیادہ خلفشار کا باعث ہوگا اس لئے یہ متفرق دفاتر جن کا بوجھ عمارت دارالعلوم پر پڑ رہا ہے اگر علیحدہ عمارت میں منتقل ہو جائیں تو اصل عمارت صرف تعلیم گاہ اور کلیدی دفاتر کے لئے مخصوص ہو سکے گی۔

مدرسہ ثانویہ

مستقبل قریب ہی میں ندوۃ العلماء نے جونیر ہائی اسکول کے عنوان سے ایک تجویز منظور کی تھی جس میں نصاب اپنا ہوگا ترتیب اپنی ہوگی۔ زبان کے اعتبار سے ہندی اور انگریزی کا معیار گورنمنٹ کے سلیبس کے مطابق جونیر ہائی اسکول کا ہوگا۔ چنانچہ فوری طور پر ایک سفال پوش عمارت دارالعلوم کے مشرقی سمت میں بنوائی گئی اور تعلیمی کام شروع کر دیا گیا بحکام کی اس مدرسہ کو دیکھتے ہوئے بحمد اللہ ان کی کارگزاری سے توقع ہوتی ہے کہ یہ مدرسہ ترقی کرے گا اور دارالعلوم کے مطلوبہ معیار کو پورا کرے گا اس مدرسہ کے لئے بھی پختہ عمارت کی ضرورت ہے خام عمارت اول تو غیر محفوظ ہے۔ گرمی بارش میں تکلیف دہ ہے۔ خدا کرے مستقبل قریب میں یہ منصوبے مطلوبہ معیار کے مطابق پورے ہو سکیں اور ان سے وہ فوائد حاصل ہو سکیں جو مقصود ہیں۔

مسلم سربراہوں کا اجتماع

اٹھو خورشید کا سامان سفر تازہ کریں

اسحاق جلیس ندوی

۸ر اور ۹ر اگست ۹۲ء کو ہندوستان کے مسلم زعماء کا مشاورتی اجتماع دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سلیمانیہ ہال میں منعقد ہو رہا ہے، یہ وہ مبارک دن ہوں گے کہ جب ؎

اٹھیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک

کتنا روح پرور اور مسرت افزا وہ منظر ہوگا کہ جب ملت کے مختلف مکاتب فکر کے رہنما اور مختلف جماعتوں کے سربراہ ایک ہی مقصد کی خاطر باہم مل بیٹھیں گے اور ایک ہی منزل کی طرف رواں دواں ہونے کے عملی خاکے تیار کریں گے ...... یہ مبارک اجتماع ایسے اہم اور بروقت موقع پر ہو رہا ہے جبکہ ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمان موت و زیست کی کشمکش کا شکار ہیں اور ایسے نازک موڑ پر صحیح قیادت اور رہنمائی سے محروم زندگی گذار رہے ہیں۔ ملت اسلامیہ کی اس زبوں حالی کو جس شدت سے محسوس کیا جانا چاہئے تھا وہ ابتک نہیں ہوا تھا اور اس شعر نے ایک حقیقت کی شکل اختیار کر لی تھی کہ ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

مگر الحمدللہ کہ اس مشاورتی اجتماع کے اعلان اور اس کی عملی سرگرمیوں سے ہندوستانی مسلمانوں کے تن مردہ میں کچھ جان پڑی اور قوم کے حساس افراد نے زبان تحسین سے کہا کہ ؎

"ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں"

اس اجتماع کے سلسلے میں دوسری خوش آئند بات یہ ہے کہ یہ اجتماع دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہو رہا ہے جس کے قیام کا اولین مقصد امت کے تمام افراد کو ایک مرکز پر جمع کرنا اور جسد واحد بنانا تھا۔ ندوۃ العلماء کا قیام ۱۸۹۲ء میں ان حوصلہ شکن حالات میں عمل میں آیا جبکہ علماء کی باہمی کشمکش، فقہی اختلافات کی شدت رفتار دوراں تھی اور حقیقی مسائل سے پہلو تہی اور وقتی یا مصنوعی مسائل پر زور آزمائی، نئے خطرات کی طرف سے غفلت اور غیر ضروری چیزوں پر اصرار انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

ایسے نازک زمانہ میں ندوۃ العلماء نے اتحاد بین المسلمین کی دعوت دی اور اس پر سارے ملک نے لبیک کہا۔

ندوہ کے سالانہ اجلاس میں لوگوں نے یہ عجیب منظر دیکھا کہ مختلف مسلک و فکر کے نمائندے اس میں شریک ہیں اور جوش و سرگرمی سے اس کی کارروائیوں میں حصہ لے رہے ہیں۔

ملک کے موجودہ پر آشوب حالات میں مسلم عمائدین کے اس اہم اجتماع کا اس مقام پر انعقاد بانیان ندوۃ العلماء کے روحوں کی تسکین کا موجب اور کارپردازان ندوۃ العلماء کے لئے فخر و مسرت کا باعث ہوگا۔ اللہ تعالٰی اس نعمت کی قدر اور اس اہم ذمہ داری سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائے

مجوزہ اجتماع میں اہم مسئلہ تجاویز کی منظوری متفقہ لائحہ عمل کے تعین اور موجودہ حالات میں اسے بروئے کار لانے کا ہے، اس سلسلہ میں اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ سے بنیادی رہنمائی بآسانی حاصل ہو سکتی ہے ـــــ مسلمانوں نے ہر دور میں استبدادی طاقتوں کا مقابلہ کس طرح کیا؟ مادی اور عددی قوت و کثرت کی مالک قوموں کو کیونکر سرنگوں کیا؟ اقبالؒ نے اس کا جامع جواب اس شعر میں دیا ہے ؎

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟ زور حیدرؓ، فقر بوذرؓ، صدق سلمانیؓ

جبر و استبداد کے مقابلہ میں کامیابی کی پہلی شرط یہ ہے کہ قرآن کی اس آیت پر پختہ یقین ہو کہ

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً
بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِينَ ٥

(بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے بڑے گروہ پر غالب آگیا ہے، اور اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے)

زور حیدرؓ میرے نزدیک وسیع معنوں میں ہے حضرت علیؓ جن معرکوں میں شریک ہوئے ان میں کسی ایک میں بھی مسلمان، فریق مخالف سے عددی اور مادی اعتبار سے فائق نہیں تھے، مگر اپنی قوت ایمانی، اعتماد علی اللہ شجاعت و بہادری اور موت سے اس طرح بے خوفی رکھتے تھے

"ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں"

ان صفات نے آپ کو "سیف اللہ" کے خطاب کا مستحق قرار دیا اور باطل کے مقابلہ میں ہمیشہ کامیابی سے سرفراز کیا

کم و بیش یہی صفات ہم اپنے ان تمام اسلاف میں دیکھتے ہیں جنھوں نے طاغوت کو سرنگوں کیا، حضرت خالدؓ، ابو عبیدہؓ، عمرو بن العاصؓ، طارق بن زیاد محمد بن قاسم، صلاح الدین ایوبی، محمد الفاتح اور ان کے رفقاء کم و بیش ان ہی خصوصیات کے حامل تھے۔

یہ حضرات موت کو موت نہیں سمجھتے تھے، باطل کی کثرت سے مرعوب ہو کر حشرات الارض کی طرح ان کے پیروں تلے روندے نہیں جاتے تھے بلکہ دشمنوں کے ملک میں گھس کر اپنی قلت تعداد کے باوجود انھوں نے اپنی کشتیاں تک اپنے ہاتھوں سے جلا ڈالیں جو شکست کی صورت میں جان بچانے کا واحد ذریعہ تھیں اور یہ کہا کہ "ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست" اور یہ دعا کی کہ

دل مرد مومن میں پھر زندہ کردے
وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لاتذر میں

اور کامیاب ہو گئے۔

ہندوستان کے ستر سالہ حالات پر غور کرنے کے بعد صاف یہ نظر آتا ہے کہ قلت و بے چارگی نے مسلمانوں کو اس قدر بزدل بنا دیا ہے کہ جس کی مثال یا تو فرعون کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کی بزدلی اور مرعوبیت سے دی جا سکتی ہے کہ جن کے پاس موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر خدائی نصرت کا وعدہ لے کر آئے مگر فرعون اور اس کی قوم سے خوف و مرعوبیت کی وجہ سے بنی اسرائیل نے ان کا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا اور یہ بزدلانہ جواب دیا کہ

"فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُونَ"

(پس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں)

یا ان کی مثال تاتاریوں کے مقابلہ میں چھٹی صدی کے مسلمانوں کی مرعوبیت سے دی جا سکتی ہے کہ جب ایک تاتاری عورت مسلمان مرد کو بآسانی قتل کر دیتی تھی اور وہ جان بچانے کے لئے مدافعت تک سے ڈرتا تھا۔

ہندوستان کے مسلم زعماء کو اس وقت کے آنے سے پہلے قوم کی اس مرعوبیت اور بزدلی کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش عمل میں لانی چاہئے۔ اور ایک ایک فرد میں یہ اسپرٹ پیدا کر دینی چاہئے کہ ہم بغیر مدافعت اور مقابلہ کے کتوں اور بلیوں کی طرح نہیں مریں گے۔ یہ فیصلہ اور اس پر عمل یقیناً قتل و غارت گری کو خاصا بریک لگا دے گا

(بقیہ ص ۳۰ پر)

امین امت ... ... میدان جنگ میں

سعید الرحمٰن الاعظمی

معرکۂ بدر میں عبداللہ بن جراح حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا باپ کفار کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہے اور پوری جاں بازی کے ساتھ کفن بردوش ہو کر مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے اپنی تمام طاقت و قوت اور صلاحیتوں کو استعمال کر رہا ہے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو کفار کی صف میں دیکھ کر چاہا کہ کاش یہ باپ میدان جنگ میں نہ ہوتا، وہ بار بار اس سے روگردانی کرتے اور اس کو دیکھ کر کتراجاتے لیکن وہ برابر ان کے سامنے آتا اور ان کو اپنی تلوار کا نشانہ بنانے کی کوشش کرتا،

ایمان کی لذت سے ناآشنا عبداللہ بن جراح اپنے ایمان دار بیٹے کے لئے سخت دل ہو چکا تھا، وہ ایمان و یقین کی اس بڑی قوت کو بار بار چیلنج کر رہا تھا جو اس کے بیٹے کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی، انھوں نے کتنا ہی چاہا کہ وہ ان کو چھوڑ دے دوسرے لوگوں سے مقابلہ کرے لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی بالآخر جذبۂ ایمانی جوش میں آیا، اور حق و باطل کے اس فیصلہ کن معرکہ میں حق کا پہلو غالب آیا، عبداللہ بن جراح امین امت کے ہاتھوں قتل ہو گیا، بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مندرجہ ذیل آیت انھیں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ	جو لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر پورا
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ	ایمان رکھتے ہیں آپ انکو نہ دیکھیں گے
يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَ	کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو
رَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا	اللہ اور اسکے رسول کے برخلاف ہیں گو
آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ	وہ انکے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ
أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ	ہی کیوں نہ ہو

لیکن بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابو عبیدہ نے اپنے باپ کو اس وقت قتل کیا جب وہ بدر کے قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہو کر آیا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ نامناسب کلمات کہے جسے سنکر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کو منع کیا لیکن وہ نہیں مانا

یہ واقعہ بھی حضرت ابو عبیدہ کی امانت کی ایک بڑی دلیل ہے کہ انھوں نے اپنے باپ سے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ کہنا گوارا نہیں کیا، اور اس کی سزا بجز قتل کے اور کچھ نہیں سمجھی یہ ایمان و یقین کا وہ سچا جذبہ تھا جس کے سامنے کافر باپ کی کوئی اہمیت نہیں تھی اور اس کی سزا صرف یہی تھی۔ کہ اس کے وجود کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دیا جائے اور یہ ایسے وقت میں جبکہ وہ میدان جنگ سے باہر تھے اور ان کے اعصاب پر دشمن سے انتقام لینے کی سختی نہیں طاری تھی لیکن امین امت نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو اس فانی محبت پر ترجیح دی سچے ایمان اور مخلص مومنین کی یہی شان ہر زمانے میں رہی۔

جنگ احد میں جب کافروں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا۔ تو ان پندرہ صحابۂ کرام میں جنھوں نے حضور کو حملہ سے بچا کر حملوں کو اپنے اوپر روکا حضرت ابو عبیدہؓ بھی تھے انھیں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے خود کے حلقہ کو اپنے دانت سے پکڑ کر نکالا جس کے نتیجہ میں ان کے اگلے دونوں دانت ٹوٹ گئے اور تکلیف کی شدت سے وہ زمین پر گر پڑے۔

غزوہ حدیبیہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ سے صلح کر لی اور صلح کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مشرکین مکہ سے اگر کوئی شخص مدینہ آئے گا تو اسے واپس کر دیا جائے گا لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی بھاگ کر مکہ چلا جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائیگا بظاہر یہ شرط شکست کے ہم معنی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر اطمینان نہیں ہو سکا۔ انھوں نے اس شرط کی مخالفت کی اور چاہا کہ رسول اللہ علیہ وسلم اپنے اخلاقی نظریہ کو ظاہر کر دیں۔

مگر حضرت ابو عبیدہؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر انھیں اس اختلاف سے روکا اور ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلہ کو صدق دل سے قبول کرنے پر ابھارا اور بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر ہو گیا اور انھوں نے اپنے خیالات سے رجوع کر لیا اور حضور کے ہر فیصلہ کو فتح و نصرت کا پیش خیمہ تصور کیا ـــــ یہاں تک کہ سورۂ فتح نازل ہوئی اور قرآن کریم نے صاف صاف اس صلح کے فتح مبین ہونے کا اعلان کر دیا

اس نازک موقف میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی حق گوئی و حق شناسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی صحیح رہنمائی کی۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی بلند نظری اور ان کی بے مثال شجاعت نے ان کو بڑے بڑے معاملات میں شریک ہونے اور حصہ لینے کا موقع دیا تاریخ کی کتابوں میں "سریۃ أبي عبيدة بن الجراح" کا تذکرہ ملتا ہے جس میں حضرت ابو عبیدہؓ کی قیادت میں چالیس مسلمانوں نے بدویوں کے تین قبیلوں محارب ثعلبہ اور انمار کے ہنگاموں کا خاتمہ کیا اور مال غنیمت میں بہت سے اونٹ اور ساز و سامان لیکر آئے

غزوہ ذات السلاسل میں جو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پیش آیا حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اتحاد و اتفاق کی وہ مثال قائم کی جو تاریخ میں معروف ہے، یعنی نماز کی امامت کے لئے جب حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھنا چاہا تو حضرت عمرو بن العاص نے ان کو روک دیا اس وقت ان دونوں حضرات کے ساتھیوں میں آپس میں اختلاف واقع ہونے کا اندیشہ ہو گیا، لیکن حضرت ابو عبیدہ اتحاد باقی رکھنے کے لئے امامت سے دست بردار ہو گئے اور انھوں نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو وصیت فرمائی ہے کہ آپس میں ہم لوگ ایک دوسرے کی بات سنیں اور مانیں، اس لئے اگر آپ میری مخالفت کریں گے تو میں آپ کی موافقت کروں گا۔

یہ ہیں حضرت ابو عبیدہ امت کے امین، اور ان کی قوت ایمانی اور جہاد زندگی کا ایک خاکہ

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

مرہم سیاہ

ہر قسم کے زخموں اور پھوڑے پھنسیوں کے لئے کامیاب اور تیر بہدف ہے

منیجر دواخانہ عباسی چوک گونڈہ۔ یوپی

عربی مدارس کے کتب خانے

حبیب الرحمٰن ندوی

مدارس عربیہ کے نصاب اور طریقہ تعلیم پر مدت سے اہل قلم حضرات خامہ فرسائی کر رہے ہیں. ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ملی اور مذہبی زندگی کی ساری رمق انھیں مدارس کی مرہون منت ہے اس لئے ارباب نظر کا اس طرف توجہ مبذول کرنا حق بجانب بھی ہے اور ضروری بھی لیکن آج کی فرصت میں میں آپ کی توجہ ان مدارس کے جس اہم گوشے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں اس کا تعلق نہ تو نصاب تعلیم سے ہے اور نہ طریقہ تعلیم سے. میری اس تحریر کا مقصد صرف ان کتب خانوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا ہے جو قصبوں اور شہروں کے مدارس کی ملکیت میں ہیں.

کتابوں کا غیر مرتب ذخیرہ

پچھلے دنوں عربی کی دو ایک قدیم کتابوں کے لئے مجھے متعدد مدارس کے کتب خانوں میں جانے کا اتفاق ہوا. مجھے یہ دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی کہ ہر مدرسے میں کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے، کوئی قابل ذکر مدرسہ ایسا نہیں جس میں ایک کتب خانہ اور اس میں درسی کتابوں کے علاوہ شروح و حواشی اور دوسرے علوم و فنون پر عربی، فارسی اور اردو کتابوں کا ایک معتدبہ حصہ موجود نہ ہو لیکن یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوا کہ ان کتب خانوں میں ترتیب اور سلیقہ مندی تقریباً عنقا ہے، کتابیں ادھر ادھر منتشر ہیں، فہرست ناقص ہی نہیں، بالکل بیکار ہے جس میں صرف کچھ کتابوں کا نام درج ہے. کتابیں نہ تو سلیقہ سے الماریوں میں لگائی گئی ہیں اور نہ ہر ایک کتاب پر نام اور نمبر کی چٹ ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ارباب مدارس کتب خانوں کے ابتدائی دستور سے بھی ناواقف ہیں، کچھ کتابیں اگر رجسٹر پر درج بھی ہیں تو نہایت نامکمل طور پر جس سے نہ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کون کتاب کس فن میں لکھی گئی ہے اور کس موضوع پر ہے اور نہ یہ کہ کتاب کا مصنف کون ہے اور کس زبان میں اس نے یہ کتاب لکھی ہے.

غیر درسی کتابیں

یہ واضح رہے کہ یہاں دار المصنفین یا دار العلوم ندوۃ العلماء جیسے مدارس کا ذکر نہیں، میرے پیش نظر وہ مدارس ہیں جو مذکورہ مرکزی جگہوں کے علاوہ بڑی تعداد میں یوپی اور اودھ کے بڑے شہروں اور قصبوں میں اہل خیر حضرات کی امداد و اعانت سے چل رہے ہیں ظاہر ہے ان مدارس کی بنیاد ہی کتابوں پر رکھی گئی ہے کتابیں اگر نہ ہوتیں تو ان مدارس کا وجود بھی نہ ہوتا لیکن دوسرے علوم و فنون کی کتابوں کا ذکر تو بعد کی چیز ہے خود قرآن و حدیث کی کتابیں جس طرح ان کتب خانوں میں بے ترتیب ادھر ادھر پڑی رہتی ہیں کوئی علم دوست تھوڑی دیر کے لئے بھی وہ منظر دیکھنا گوارا نہیں کرے گا.

ایک کتب خانہ کے نگراں نے شکایت کرنے پر بتایا کہ "غیر درسی کتابوں کی دیکھ بھال کے لئے فرصت کہاں ہے" ذرا بتائیے ایک علمی ادارہ کی طرف سے کہی گئی ایسی باتوں کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے جن بنیادوں پر مدارس کا وجود قائم ہے اگر انھیں کی دیکھ بھال کی فرصت نہیں تو آخر وہ کون سا کام ہے جس کی دیکھ بھال کی توقع رکھی جائے.

آج کی دنیا میں جبکہ علوم و فنون کا میدان بہت وسیع ہو چکا ہے اور نشر و اشاعت کی سہولتوں نے لوگوں کو گھر بیٹھے تحصیل علوم کے مواقع فراہم کر دیئے ہیں یہ بات کیا کم عبرت ناک ہے کہ عربی مدارس کے کتب خانے صرف قدیم کتابوں پر مشتمل ہوں..... جدید کتابوں کی فراہمی تو دور کی بات ہے یہاں تو سوال یہ ہے کہ ان کتب خانوں کا یہ حال کیوں ہے کہ کوئی ضرورتمند ان کتب خانوں میں جا کر بھی اپنی ضرورت کے مطابق قدیم کتابیں نہیں دیکھ پاتا. بدنظمی اور بے ترتیبی کا یہ عالم ہے کہ خود صاحب کتب خانہ بھی یہ نہیں جانتا کہ میرے کتب خانہ میں کتنی کتابیں ہیں اور کون سی کتاب کہاں ہے. کتاب حاصل کرنے کا یہ طریقہ بہت ہی مضحکہ خیز ہے کہ جس کتاب کی ضرورت ہو انچارج کتب خانہ کو بتا دی جائیں وہ ہفتہ عشرہ تک اس کتاب کو تلاش کریں گے اور اس کے بعد بھی وہ یہ نہ بتا سکیں گے کہ کتب مطلوبہ موجود بھی ہے یا نہیں اور ہے تو کہاں ہے بہرحال دو تین کتابوں کی فرمائش پوری کرنے کا خواب تو بس دل میں رکھئے، ہاں بعض نایاب کتابیں جنھیں اکثر ضرورت مند حضرات بڑی بڑی قیمتوں پر خریدنے کے لئے تیار رہا کرتے ہیں ان کتب خانوں میں آپ کو اس طرح ملیں گی جیسے ان کی کوئی اہمیت نہیں ان کا رہنا اور نہ رہنا دونوں برابر ہے.

ایک اہم گزارش

بلا شبہ عربی مدارس کے کتب خانے ہمارے ملک، ہماری تہذیب اور تمدن و ثقافت کی بہترین نمائندگی کر سکتے ہیں لیکن اس کے لئے ضرورت ہے کہ تمام اہل مدارس اپنے اپنے کتب خانوں کی مکمل فہرست مرتب کریں. فہرست میں کتاب کا پورا نام مصنف کا نام اور نمبر شمار کے علاوہ موضوع کتاب اور اجمالی تعارف بھی درج کیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ سال بہ سال اس فہرست کی نشر و اشاعت کا اہتمام بھی کیا جائے تاکہ اہل قلم اور تصنیف و تالیف کا کام کرنے والوں کو اس کی واقفیت رہے کہ کس موضوع پر کون سی کتابیں کہاں کہاں مل سکتی ہیں، کتابوں سے استفادہ کے لئے باہر سے آنے والے کو پوری سہولت فراہم کی جائے تاکہ مدارس کا فیض عام ہو سکے ظاہر ہے اگر عربی مدارس صرف دینی علوم کی نشر و اشاعت کے لئے زندہ ہیں تو اس سے زیادہ آسان طریقہ ان کتب خانوں سے فائدہ اٹھانے اور اس کے ہمدردوں کا حلقہ وسیع کرنے کا اور کوئی دوسرا ممکن نہیں، صرف یہی نہیں کہ اس طرح ان کتب خانوں کی از سر نو تنظیم ہو سکے گی اور یہاں آنے والوں کے لئے سہولت پیدا ہو گی بلکہ دور دراز کے ان لوگوں کے لئے بھی جو علمی کام کرتے ہیں مگر عدیم الفرصتی کے باعث ہر وقت لمبے لمبے سفر کا موقع نہیں نکال سکتے کتابوں کی فراہمی کا مسئلہ انکے لئے بھی آسان ہو جائے گا اور گھر بیٹھے ہی انھیں یہ علوم ہو جائے گا کہ کون کون سی کتاب کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے.

کچھ عربی مدارس کے کتب خانوں کے لئے ہی یہ بات مخصوص نہیں کتابوں کی مکمل فہرست تو ہر کتب خانہ اور ہر لائبریری کی طرف سے شائع ہونا چاہئے تاکہ ضرورت مندوں کے لئے گھر بیٹھے یہ جاننا آسان ہو جائے کہ کس موضوع پر کس کتب خانے میں کتنی کتابیں ہیں اور ان سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، یاد رکھئے کثرت کار اور زندگی کی بڑھتی ہوئی بے پناہ مصروفیات کے اس دور میں اگر ہم اپنے علوم و فنون کی نشر و اشاعت کا کوئی آسان طریقہ اختیار نہیں کر سکتے تو آنیوالی نسل کا دوسرے سبیل اور گمراہ کن راستوں میں بھٹک جانا یقینی ہے.

چو مرگ آید تبسم برلب اوست

تبسم الحسن صدیقی ندوی

(۱)

ابو سلیمان درانی بستر مرگ پر کروٹیں بدل رہے ہیں خدام و معتقدین ان کے چاروں طرف مودبانہ کھڑے ہیں اسی انتظار میں ایک خادم عرض کرتا ہے کہ آپ ہمیں بشارت دیجئے کیونکہ اب تو آپ خداوند غفور کے حضور میں جا رہے ہیں، فرمایا ایسا نہ کہو میں ایسی جگہ جا رہا ہوں جہاں میرے صغیرہ گناہوں کا بھی محاسبہ ہوگا اور کبیرہ پر عذاب ہوگا، اتنا کہا اور ایک چیخ ماری اور خالق حقیقی سے جا ملے.

ان کے انتقال کے بعد ان کو کسی نے خواب میں دیکھا اور سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، فرمایا راحت اور کرم کا اور وہ مجھ سے خوش ہے: (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۸۰)

(۲)

سورج اپنا سفر طے کر کے مغرب میں جا چھپا اور افق پر سیاہی پھیلنی شروع ہو گئی. ٹھیک اسی وقت ایک چھوٹے سے حجرے میں خلق خدا کا ہجوم بڑھتا ہی جا رہا ہے. لوگ ایک دوسرے پر گرے پڑ رہے ہیں کیونکہ آج خدا کا ایک محبوب بندہ کرب و الم سے کروٹیں بدل رہا ہے اور عوام اس کی خدمت کے لئے بے چین ہیں، یہ محبوب بندہ عبد الدین الجہینی کے نام سے عوام میں پہچانا جاتا ہے

اژدحام کے ساتھ ساتھ مرض میں بھی اضافہ ہوتا رہا. یہاں تک کہ وہ وقت آ پہنچا، جس کا خطرہ تھا اس کا احساس اس عارف کو بھی ہو گیا اور اس نے اس آخری وقت میں خلوت کو پسند کیا اور تمام لوگوں کو کمرہ سے نکل جانے کا حکم دیا اور لوگ اس کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے خاموشی کے ساتھ باہر چلے گئے.

لیکن کچھ لوگ دروازہ پر کان لگا کر وہیں کھڑے ہو گئے. اچانک انھوں نے شیخ کی ہچکیوں کی آواز سنی اور ذرا غور کرنے پر انھوں نے یہ بھی سنا کہ شیخ کہہ رہے ہیں ہائے افسوس میں نے طاعت خداوندی میں کتنی کوتاہی کی، اب میرا کیا ہوگا" یہ الفاظ برابر شیخ کی زبان سے نکل رہے تھے، اور ساتھ ہی وہ رو بھی رہے تھے. باہر مخلوق خدا حیران و پریشان کھڑی تھی. لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد رونے کی آواز بند ہو گئی اور ساتھ ہی شیخ کے وہ کلمات بھی لوگ سننے سے محروم ہو گئے اور بے تابانہ شیخ کے حجرہ کی طرف دوڑے لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی شیخ اپنے معبود حقیقی کے پاس پہنچ چکے تھے.

(وفیات الاعیان ص ۷۰ ج ۱)

(۳)

عسقلان کے گوشہ گوشہ میں یہ خبر بجلی کی سرعت کی طرح پھیل گئی کہ شیخ عسقلان آدم بن ابی ایاس کئی دنوں سے مسلسل قرآن شریف کی تلاوت کر رہے ہیں انھوں نے کھانا پینا بھی چھوڑ دیا ہے جبکہ وہ بہت زیادہ بیمار ہیں. خدام ان کے اس عمل سے بہت زیادہ پریشان ہیں لیکن مجبوراً خاموش ہیں.

کئی دنوں کی مسلسل تلاوت قرآن کے بعد شیخ نے تلاوت ختم کی اور اس کے ساتھ ہی ان کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ " اے قرآن میں نے تجھے کبھی نہیں چھوڑا لیکن آج میں تجھے چھوڑنے پر مجبور ہوں لیکن اس کے باوجود مجھے آج کے دن کا شدت سے انتظار تھا کیونکہ مجھے یہ قوی امید تھی کہ آج ہی کے دن تو میرے کام آئیگا اب مجھے قوی امید ہے کہ تو میرے مالک سے میرے گناہوں کی بخشش کرا دیگا اور میرا مالک مجھ سے راضی و خوش ہوگا اس کے بعد شیخ عسقلان کی زبان پر کلمہ طیبہ جاری ہو گیا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد ان کا سر ایک طرف ڈھلک گیا.

(صفۃ الصفوۃ ج ۴ ص ۲۰۰)

(۴)

شیخ جلال الدین رومی جو کہ مولانا روم کے لقب سے موسوم ہیں. حالت نزع میں مبتلا ہیں عیادت کرنے والوں کا ہجوم بڑھ رہا ہے. مرض کی خبر شہر کے گوشہ گوشہ میں پھیلتی جا رہی ہے، شیخ محی الدین اکبر کے تربیت یافتہ شیخ صدر الدین کو مولانا کے مرض کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنا تمام کام چھوڑ کر عیادت کے لئے حاضر ہوئے، مولانا روم کی حالت دیکھی اور بے چین ہو گئے اور وہیں بیٹھ کر صحت کی دعا کرنے لگے اور فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ آپ کو جلد از جلد شفا عطا فرمائے گا"، اتنا سننا تھا کہ مولانا روم تڑپ اٹھے اور فرمایا کہ آپ ہی کو شفا مبارک ہو، اب تو عاشق و معشوق میں بس ایک پیرہن کا پردہ رہ گیا ہے کیا آپ کو یہ پسند نہیں کہ اب وہ پردہ بھی اٹھ جائے اور نور نور میں مل جائے اتنا سننا تھا کہ شیخ صدر الدین کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور شیخ نے اس کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے یہ شعر پڑھا.

چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہی ہمنشیں دارم
رخ زریں من منگر کہ پائے آہنیں دارم

(تمھیں کیا خبر کہ باطن میں کون سی شہنشاہیت میری ہمنشیں ہے. میرا رخ تاباں خود منکر ہے کہ میں اپنے پیر میں لوہے کی بیڑیاں ڈالے ہوئے ہوں.)

اور اس کے چند دنوں کے بعد وہ اپنے معبود سے جا ملے. (سوانح مولانا روم ص ۲۵)

(۵)

عارف وقت سری سقطی کی خدمت میں ان کے ایک معتقد مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے اور پنکھا جھلنا شروع کر دیا لیکن سری سقطیؒ کو یہ بات ناگوار گذری اور انھوں نے پنکھا جھلنے سے منع کیا. خادم اور احتیاط پنکھا جھلتے ہی رہے. اس پر انھوں نے غصہ ہو کر پنکھا جھلنے سے منع کیا اور فرمایا کہ ہوا جہنم کی آگ کو تیز کر دیتی ہے اور پھر حسرت سے یہ آیت پڑھی. عبداً مملوکاً لا یقدر علی شیء : (ایک ناکارہ بندہ ہے جو کسی چیز پر قادر نہیں)

سری سقطیؒ کی ان باتوں کا ان پر بہت اثر ہوا اور اپنی حرکت پر نادم ہوئے اور نصیحت کی درخواست کی اس پر سری سقطیؒ نے فرمایا کہ دیکھو مخلوق کی صحبت میں اتنا نہ رہنا کہ خالق کی یاد سے غافل ہو جاؤ اور اشرار کی صحبت سے اجتناب کرنا. اتنا فرمانے کے بعد سری نے ٹھنڈی سانس بھری اور رفیق اعلیٰ سے مل گئے (تاریخ خطیب بغدادی ج ۹ ص ۱۹۲)

چمنِ روزگار

حکیم انجم اعظمی

لٹا ہوا چمنِ روزگار آج بھی ہے — نسیم مرثیہ خوانِ بہار آج بھی ہے
خزاں کے دام میں فصلِ بہار آج بھی ہے — چمن میں سلسلۂ گیرودار آج بھی ہے
نہ کارواں ہیں سلامت نہ راستے محفوظ — شعورِ راہبری فتنہ کار آج بھی ہے
ہزار موت نے سلجھائیں گتھیاں لیکن — فریبِ زندگی مستعار آج بھی ہے
تو رازداں نہیں رنگِ بہار کا غافل — ترے لہو سے زمیں لالہ زار آج بھی ہے
خزاں چمن میں پسِ پردہ کارفرما تھی — ہر ایک غنچہ یہاں سوگوار آج بھی ہے
برس رہی ہے ہر اک سمت یاس سامانی — بہارِ زیست خزاں در کنار آج بھی ہے
دھلا نہ قطرۂ شبنم سے داغِ دل اسکا — چمن میں لالۂ تر داغدار آج بھی ہے
چٹک رہی ہیں جو کلیاں تو گا رہی ہے نسیم — وہی نمودِ طلسمِ بہار آج بھی ہے
ہر ایک گام پہ ہے راہِ زندگی مسدود — کسی کا دستِ ستم جاں شکار آج بھی ہے
کبھی تو منزلِ مقصود مل ہی جائے گی — مرا شعورِ طلب پختہ کار آج بھی ہے

زباں کے سحر کا منکر ہے کون اے انجم
اسی پہ حسنِ غزل کا مدار آج بھی ہے

قطعہ

کبھی وہ راحتِ ساحل کا لطف پا نہ سکے
جو ایک بار بھی طوفاں کا ناز اٹھا نہ سکے
افق سے وقت کے وہ صبحِ تازہ پیدا کر
شبِ سیاہ کا دامن جسے چھپا نہ سکے

بھری برسات

از مولانا ابوالخیر صاحب برقؔ حسنی

موسمِ گل ہے ٹھنڈی ہوا ہے — پھول کھلے ہیں فضلِ خدا ہے
وقت ہے اپنا، صبح سہانی — زورِ خزاں کا، پانی پانی
سوتا ہے سبزہ چھایا ہے بادل — بہتے ہیں نالے جنگل جنگل
باغ میں کیسی پھولوں کی صف ہے — رعشہ بدست و جام بکف ہے
نغمۂ قمری، شورِ عنادل — بزمِ گلستاں دید کے قابل
سبزہ ہے پانی گلشن گلشن — سجدہ میں ہے ہر شاخِ نشیمن
جھوم رہی ہے ڈالی ڈالی — اس پہ گھٹائیں کالی کالی
پتے پتے پر ہیں وہ قطرے — چھپ گئے تارے شرم سے گھٹ کے
بیلیں چڑھیں دیوارِ چمن پر — پانی چڑھا ہے چرخِ کہن پر
چپ جو کلی تھی بول رہی ہے — دل کی گرہ کو کھول رہی ہے
دستِ خرد کی بخیہ گری ہے — جوشِ جنوں کی جامہ دری ہے
کہنے کو سب ہے خوابِ ہستی — جاگ اٹھی ہے پھولوں کی بستی
غنچہ کا در اب جا کے کھلا ہے — منہ کو دھلانے ابر چلا ہے
سوتے میں سبزہ سر جو جھکائے — بادِ بہاری آ کے جگائے
دید کے قابل رنگِ جہاں کا — وقت نہیں ہے خوابِ گراں کا

آؤ چلو اب سیر کریں ہم
برق کوئی دم اور ہیں باہم

ندوۃ العلماء منزل بہ منزل

(چند تاریخی جھلکیاں)

عظیم آباد کے تاریخی اجلاس منعقدہ ۱۹۰۰ء کی ایک جھلک

سید شرف الدین صاحب نے اپنی تقریر میں چندہ کی تحریک کی اور اتنے پر زور طریقے پر کہ مولانا وارث حسن صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ (بنارس) نے اپنا عمامہ (جو مولانا حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا تھا، اور ان کے ایک مرشد کے ذریعہ مولانا وارث حسن کو ملا تھا) سر سے اتار کر رکھ دیا اور مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے اس کو اسی وقت پچاس روپے میں خرید لیا، بس پھر کیا تھا ہر طرف سے چندہ ہونا شروع ہوا اور لوگ ذوق و شوق کے ساتھ اپنا نام لکھوانے لگے۔

اس جوش و خروش کے عالم میں مولانا شاہ سلیمان پھلواروی نے (جن کو بجا طور پر محبان ندوہ کہا جا سکتا ہے) للکارا ؎

وقت آں آمد کہ من عریاں شدم

لیکن سید شرف الدین صاحب کی رائے یہ ہوئی کہ چونکہ لوگ چندہ کے لئے تیار ہو کر نہیں آئے ہیں اس لئے زیادہ کوشش کرنا مفید نہ ہوگا۔ چنانچہ چندہ کی کارروائی روک دی گئی۔

ایک نوجوان بیرسٹر کی تقریر

اس کے بعد ایک نوجوان مولوی نصیر الدین بیرسٹر ایٹ لا (بانکی پور) تقریر کرنے کھڑے ہوئے اور انھوں نے اتنی موثر تقریر کی کہ لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

روئداد نویس اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"جس شان سے یہ پر جوش نوجوان تقریر کرنے کھڑا ہوا وہ سماں ہم کبھی نہ بھولیں گے، ہر طرف سے رونے اور سسکیاں لینے کی آواز آ رہی تھی، جو تھا بے قرار اور بے چین تھا، الفاظ تو سیدھے سادے تھے مگر جس سچے جوش اور سچے دل سے نکلتے تھے اس کا منشا یہی تھا کہ ہر دل میں گھر کر لے۔

"آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد"

چند سیدھے سادے الفاظ نے سارے جلسہ کو بے چین کر دیا، سارا جلسہ پر جوش اور جان فدا کرنے پر آمادہ تھا، علماء کے طبقہ کا حال نہ پوچھئے، رومال تر، آنکھیں سرخ، فرط گریہ سے سب از خود رفتہ۔"

اس نوجوان نے تقریر کرنے کے چند ہی منٹ کے بعد فرط جذبات سے بے قابو ہو کر اپنی سنہری قیمتی گھڑی (جس کی مالیت ساڑھے تین سو روپے تھی) ندوہ کو پیش کر دی۔

یہ نوجوان انصاری تھے۔ تقریر میں انھوں نے کہا:

"میں انھیں انصاریوں کی اولاد ہوں جو اپنی جانیں اور اپنے مال ہمیشہ اسلام پر فدا کرتے رہے ہیں۔"

تقریر ہی کے دوران انھوں نے اپنا کوٹ اور اپنی جاکٹ اتار کر اس وقت ندوہ کو دے دیا اور پر جوش الفاظ میں کہا:

"ہم اس جلسہ کو مشاعرہ بنانے کے لئے نہیں آئے ہیں، ہم یہ دکھانے کو آئے ہیں کہ ہم میں اسلام کی کتنی محبت اور کتنی وقعت باقی ہے۔

انھوں نے کہا:

"ہمارے معزز علماء کی پگڑیاں اتر جائیں اور ہم کپڑے پہنے رہیں"۔ پھر کچھ دیر تقریر کرنے کے بعد کہا کہ:

"ہمارے پیشوا گدائی کے لئے نکلیں اور ہم کھڑے دیکھتے رہیں۔ بھائیو! اب بھی سنبھلو، اب بھی اٹھو، ان قومی بھکاریوں کی جھولیاں بھر دو، ان اسلامی گداؤں کا دامن بھر دو، کہ پھر دوسرے در تک ان کو جانا نہ پڑے، ہائے ہم مدینہ سے ملک فتح کرنے کو نکلے تھے کاسۂ گدائی لیکر نہیں۔ ہم اسلامی شان و شوکت لے کر چلے تھے بھیک مانگنے کو نہیں" اور جب انھوں نے یہ کہا:۔

"ہم سے یہ دیکھا نہیں جاتا کہ یہ نورانی صورتیں ہمارے دروازے پر گدائی کریں اور پھر ہمارے ہی لئے" تو جلسہ میں کہرام سا مچ گیا اور کوئی اپنے ہوش میں نہ رہا

روئداد نویس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

"عبائیں، عمامے، کپڑے، گھڑیاں، روپے مینہ کی طرح برسنے لگے۔ ایک عفت مآب خاتون نے اپنے پاؤں کے کڑے اتار کر دے دیئے"

اس کے بعد مرزا کمال الدین سنجر ہمدانی نے اپنا فارسی قصیدہ ایرانی لہجہ میں خوش الحانی کے ساتھ پڑھا اور ندوہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا:

خوشا بحال ایں دانشوران ندوہ کے مردم
کہ در آیند جملہ دانش و عرفان و ایقاں را
نہ ہر کس دعویٰ دانش تواند کرد در گیتی
سلیمانی نہ زیبد در جہاں البتہ دیواں را
الٰہی زندہ و خرسندہ ماند ناظم ندوہ
رساں ایں خدمت او بآخر آں مجہ پایاں را

اس کے بعد شیخ عبد القادر بیرسٹر ایٹ لا نے اہل پنجاب کی طرف سے بہار والوں کا مناسب اور موثر الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔

بقیہ اٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں

ان میں اصولوں سے کسی بھی مکتب فکر کے داعی اور کسی بھی جماعت کے سربراہ کو اختلاف نہیں ہوگا۔ بلکہ اپنا کر اللہ تعالیٰ کی ایسی معیت حاصل ہوگی جسے اقبالؒ نے

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا، کارساز

سے تعبیر کیا ہے۔

اس "سامان سفر" کے ساتھ ہمارا کاروان رواں دواں ہوا تو کامیابی کی منزل سے جلد ہمکنار ہونا یقینی ہے۔

بقیہ جب وقت شہادت آگئے ......

کی بشارت دی ہے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ہنستے کھیلتے مردانہ وار موت کا استقبال کیا۔

اگر ایک طرف ان چھ افراد کو جمال عبد الناصر نے سزائے موت دیدی تو دوسری طرف ان گنت ایسے لوگ ہیں جو جیلوں میں پڑے پڑے ختم ہو گئے اور ان کی موت کی کسی کو خبر تک نہ ہوئی صرف ایک حادثہ جو طرہ جیل کے قتل عام کے نام سے مشہور ہے اس میں مظالم کی مخالفت کے خلاف احتجاج کرنے کے جرم میں ۲۱ آدمیوں کو گولیوں سے اڑا دیا گیا، یہ یکم جون ۱۹۵۷ء کا واقعہ ہے۔

پچاس ہزار مصری باشندوں اور ان تمام قیدیوں کی داستان جنھیں گرفتار کر کے جمال عبد الناصر نے شدید ظلم و ستم اور بے دردی کا نشانہ بنایا، بڑی دردناک اور ایک نہ ختم ہونے والی داستان ہے اس وقت بھی سیکڑوں اخوانی دور دراز صحرائی قید خانوں اور نظر بندی کیمپوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

پرنٹر و پبلشر محمد الحسنی نے شاہی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

جب وقت شہادت آتا ہے دل سینوں میں بیقرار ہوتے ہیں

تحریک اخوان المسلمین کا ایک زرّیں صفحہ

ترجمہ ضیاء الحسن ندوی

ممتاز عالمی صحافیوں نے جو موقع پر موجود تھے۔ شاید پہلی بار اس بے مثال شجاعت کا عینی مشاہدہ کیا جو "اخوان المسلمین" کا طرۂ امتیاز اور سزائے موت پانے والے اخوانی لیڈروں کی سب سے نمایاں خصوصیت تھی۔ چنانچہ فرانس کے ایک کثیر الاشاعت اور ممتاز ترین اخبار نے اپنے قاہرہ کے نمائندوں جان لاکوٹر کے حوالے سے سزائے موت کے نفاذ کے چشم دید حالات اس عنوان کے تحت شائع کئے۔

تختۂ دار سے ہمت و شجاعت کا لافانی پیغام

اخبار لکھتا ہے: قاہرہ جیل میں جس وقت چھ اخوانیوں کو سزائے موت دینے کا فیصلہ کیا گیا، وہ دل و زبان سے خدا کا شکر ادا کر رہے تھے جس نے انھیں شہادت نصیب فرمائی، اور نہایت بہادری اور ثابت قدمی کے ساتھ وہ لوگ پھانسی گھر کی طرف جا رہے تھے۔ آٹھ بجے صبح فوجی عدالت کی جیل پر سیاہ جھنڈا لہرایا گیا، جہاں سزائے موت پانے والے چھ اخوانی لیڈر ایک رات پہلے ہی پہنچا دیئے گئے تھے جیل کی سلاخوں کے باہر فضا بالکل حسب معمول تھی، باہر رہنے والوں کے ماحول میں کوئی نئی بات نہ تھی جیل کے ایک نئے وسیع مرکزی ہال میں سر سے پیر تک سیاہ پوش دو بھاری بھرکم جلاد جنکی بڑی بڑی ڈراؤنی مونچھیں تھیں، ایک چھوٹے سے دروازے کے نزدیک وقت موعود کے منتظر کھڑے تھے، یہ دروازہ پھانسی گھر کا تھا۔ ٹھیک آٹھ بجکر پانچ منٹ پر سب سے پہلے ملزم عبد اللطیف کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالا گیا، اس وقت وہ سرخ ٹوپی، سیاہ قمیص اور سرخ پائجامہ پہنے ہوئے تھے، برہنہ پا، زبان پر دعائیں، چہرہ پر خوشی کی وہی جھلک جسے پورے مقدمہ کے دوران ہم برابر دیکھتے رہے تھے۔ فرد جرم پڑھ کر سنائی گئی جو کرنل ناصر کے قتل کی سازش کرنے اور طاقت کے ذریعے حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کرنے کے الزام میں ان پر عائد کی گئی تھی۔ اس کے بعد دو سرکاری واعظوں نے قرآنی آیتوں کی تلاوت کی اور شیخ صادی نامی ایک تیسرے شخص نے جو نابینا تھا ایک مختصر سی تقریر کی، تقریر میں اس نے یہ ثابت کرنے کی پرزور کوشش کی کہ تنہا کرنل ناصر کے قتل کی سازش کرکے عبد اللطیف نے گویا سوا دو کروڑ مصری باشندوں کو موت کے منہ میں ڈھکیلنا چاہا تھا، مگر خدا نے مصریوں کی حفاظت فرمائی پھر ان سرکاری واعظوں نے ملزم کو کلمہ پڑھنے کی تلقین کی مگر وہ ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہے۔ اشکر اللہ الذی منحنی الشھادۃ "اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے شہادت نصیب فرمائی اور یہی اخوانیوں کی سب سے بڑی آرزو ہے، اس کے علاوہ انھوں نے کسی چیز کی خواہش نہیں کی، اور پیچھے کی طرف مڑ گئے پہریدار انھیں پھانسی گھر کے اندر لے گئے، تھوڑی دیر میں ہم نے ایک خفیف سی چیخ سنی۔ تختہ ان کے قدموں کے نیچے سے کھینچ لیا گیا تھا۔ ان کی نبض ساڑھے تین منٹ تک حرکت کرتی رہی۔

سرخ رو و سیاہ پوش مصری قانون کے مطابق آدھ گھنٹے تک پھانسی پانے والے کا جسم لٹکا رہنے دیا جاتا تھا تاکہ جسم میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہ رہ سکے۔ عبد اللطیف کے بعد مرکزی سی آئی ڈی کے سب سے بڑے افسر یوسف طلعت لائے گئے، اپنے پہلے مرحوم ساتھی کی طرح وہ بھی سرخ و سیاہ لباس میں ملبوس تھے۔ دیو قامت جلادوں کے سامنے وہ بہت چھوٹے معلوم ہو رہے تھے، ہمارے سامنے سے جب وہ گذرے تو ان کا چہرہ منور معلوم ہوتا تھا ان کی نیلی آنکھیں پرسکون تھیں، دبلے پن کی وجہ سے کپڑے ان کے جسم پر سنبھل ... نہیں رہے تھے انھوں نے نماز پڑھنے کی اجازت چاہی تو جواب ملا کہ اپنے دل میں پڑھ لو۔ اس وقت ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے "اللہ میری مغفرت کرے، اور ان تمام لوگوں کی جنھوں نے میرے ساتھ بُرا برتاؤ کیا، ان کی نبضیں دو منٹ بعد ٹھہر گئیں۔

جانبازی کا سبق: مشاہدین ہمت و جرأت کا وہ سبق بھی نہ بھول سکیں گے جو انھیں تیسرے ملزم ابراہیم طیب نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں دیا تھا۔ یہ ایک وکیل اور قاہرہ ڈویژن کی خفیہ پولیس کے سربراہ تھے ان کے لبوں پر ایک ہلکی سی حقارت آمیز مسکراہٹ تھی نہایت استقلال اور اعتماد کے ساتھ حاضرین کی طرف دیکھتے اور کہتے جاتے تھے کہ "خدا کا شکر ہے کہ میں شہید ہونے جا رہا ہوں ہمارے دشمن ہی ہمارے منصف بنائے گئے ہیں اس کے بعد اسی ہلکی اور خاموش مسکراہٹ کے ساتھ وہ زندگی کے آخری مرحلے سے گذر گئے۔

ان کے بعد محمد علی فرغلی کا نمبر تھا، یہ ایک عالم دین اور خطیب تھے ایک تبسم آمیز مسرت کے ساتھ وہ تختہ دار کی طرف بڑھ رہے تھے اس وقت ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے "میں خوش ہوں کہ اپنے رب سے ملنے جا رہا ہوں" پھر اپنے پاس کھڑے ہوئے سرکاری واعظ کے کان میں انھوں نے کچھ کہا، اس کے بعد جلادوں نے ان کے گلے میں پھندا ڈال کر انھیں قید حیات سے آزاد کر دیا۔

ہنستے کھیلتے موت کا سامنا

اس سلسلے کا آخری ملزم ایک ممتاز ماہر قانون اور بیرسٹر شیخ عبد القادر عودہ تھے، جا اخوان المسلمین اور جنرل نجیب کے رابطہ کی درمیانی کڑی کی حیثیت رکھتے تھے اور جنھوں اپنے علم و بصیرت کی بنا پر ... شعب کی تاسیس اور اس کے احکام سے سخت اختلاف ظاہر کیا تھا، انھوں نے ہنستے ہوئے سزائے موت کا حکم سنا، اور اس حکم کو پاکر انھوں نے کہا "شکریہ" جب وہ پھانسی کے کمرہ کی طرف جا رہے تھے تو ان کے چہرہ پر استقلال اور ایک باوقار مسکراہٹ تھی۔ طاقتور آواز سے وہ قرآنی آیات کی تلاوت کر رہے تھے، ان کے آخری الفاظ تھے کہ "موت میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی بشرطیکہ میں ایک سچے مسلمان کی طرح اس کا سامنا کر رہا ہوں" پھر انھوں نے سر اوپر اٹھا کر بلند آواز سے کہا "میرا خون اس نظام پر لعنت اور اسکی تباہی کا باعث بنے گا" انھوں نے کوئی پیشکش قبول کرنا پسند نہیں کیا۔ اور جلادوں سے آگے نکلتے ہوئے تختہ دار پر پہنچ گئے۔

وہ تمام لوگ جو اس مقدمہ اور سزا کے وقت موجود تھے میری طرح حیران تھے کہ یہ نحیف و ناتواں انسان جو بظاہر چلنے پھرنے کی صعوبت کا سامنا کرتے گھبراتے تھے بھیانک موت کا کس طرح سامنا کریں گے۔

یہ ہے اس خبر کا متن جو اخبار نے اپنے نمائندہ مقیم قاہرہ جان لاکوٹر کے حوالے سے شائع کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر عبد القادر عودہ، ابراہیم طیب، یوسف طلعت یا محمد فرغلی میں سے کوئی بھی قاتلانہ حملہ کی سازش میں شریک ہوتا تو موت کے ان خوفناک لمحات میں ان کے اعصاب اتنے پرسکون نہ رہ سکتے بے موقع نہ ہوگا اگر اس موقع پر ناظرین کو یہ یاد دلایا جائے کہ اسلام نے ہر شہید اور مظلوم کو جنت

(باقی صفحہ ۱۵)

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

ندوۃ العلماء — ذرائع تعاون — لکھنؤ

- سب سے بڑا تعاون مجلس کی مطبوعات و لٹریچر کو صحیح جگہوں پر پہنچانا اور انکی اشاعت
- مجلس کے کاموں کیلئے مستقل عطیے، مثلاً:

(الف) رکنیت دوامی (لائف ممبری) جو صاحب پانچسو روپے عنایت فرمائیں گے وہ مجلس کے لائف ممبر شمار ہونگے، لائف ممبر کو مجلس کی مطبوعات ہمیشہ بلا قیمت فراہم کی جائیں گی۔

(ب) ہمدرد، جو حضرات دو سو روپے عنایت فرمائیں گے وہ مجلس کے ہمدرد شمار ہونگے مجلس، ہمدرد کو پانچسال تک اپنی مطبوعات بلا قیمت پیش کریگی۔

(ج) معاون، جو حضرات پچیس روپے عنایت فرمائینگے وہ مجلس کے معاون شمار ہونگے مجلس انھیں اپنی اولین کتاب "مقالات سیرت" بلا قیمت اور بقیہ تمام مطبوعات رعایتی قیمت سے فراہم کرے گی۔

اس کے علاوہ غیر مستقل عطیے اور مفید مشورے اس اہم کام کی ترقی و تقویت اور کارکنان مجلس کی ہمت افزائی کا باعث ہوں گے۔

آج ہی رکنیت کا فارم پُر کرکے اپنی علم دوستی۔

اور اسلام نوازی کا ثبوت دیجئے۔